مکتبۂ جدید

میری لائبریری

امیر معاویہؓ

سلطنتِ بنو اُمیہ کے بانی حضرتِ معاویہ
کی سیاست اور حکومت کا منصفانہ جائزہ

انیس زکریا

سوا روپیہ

پہلی مرتبہ میری لائبریری ہی میں

تاریخ اسلام میں جس قدر مظلوم شخصیت حضرت امیر معاویہ رض کی ہے شاید ہی کسی اور کی ہو۔ اس سے بڑی مظلومی اور کیا ہوسکتی ہے کہ ایک شخص کے بہترین اعمال پر تعصب یا نافہمی کے پردے ڈال دیے جائیں، کسی ایک بات سے آزردہ ہو کر اس کی بے مثال فراست و انتظامی صلاحیت اور اس کی بے نظیر حلیمی و فیاضی کو نظر انداز کر دیا جائے۔

یہ مختصر سی کتاب سلطنت بنوامیہ کے بانی، کاتب وحی، حضرت امیر معاویہ کے ذاتی کردار اور ان کی سیاست کو سمجھنے کا ایک دروازہ ہے۔ مصنف کی پوری کوشش ہے کہ کوئی بات سند کے بغیر نہ کی جائے۔

امیر معاویہؓ
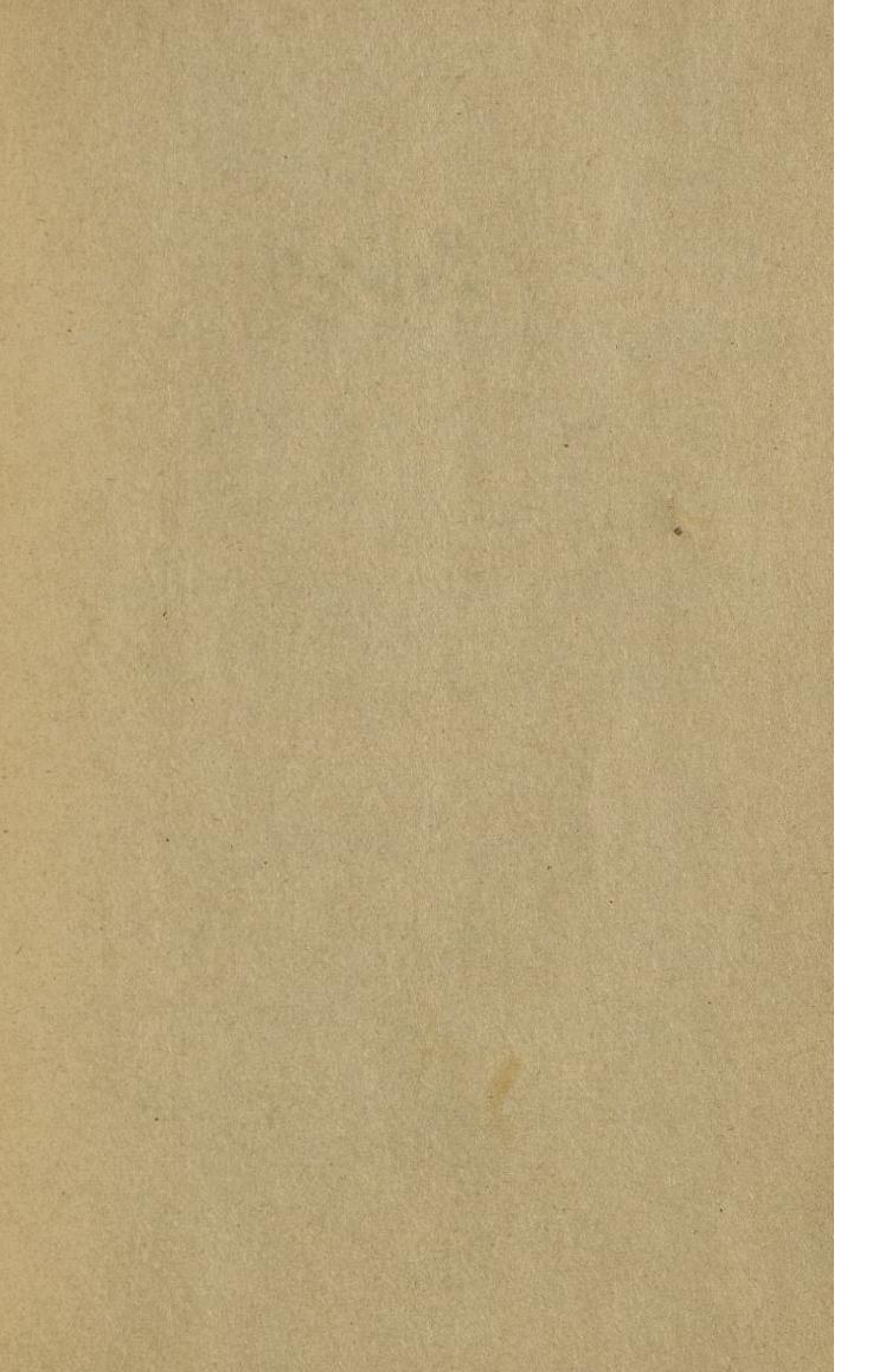
امیر معاویہؓ

مصنف

انیس زکریا نصولی

ترجمہ

عبدالصمد صارم

مکتبۂ جدید ، لاہور

نئی لائبریری میں پہلی مرتبہ : ۱۹۶۱ء

طابع : استقلال پریس ، لاہور

ناشر : رشید احمد چودھری ، لاہور

ترتیب
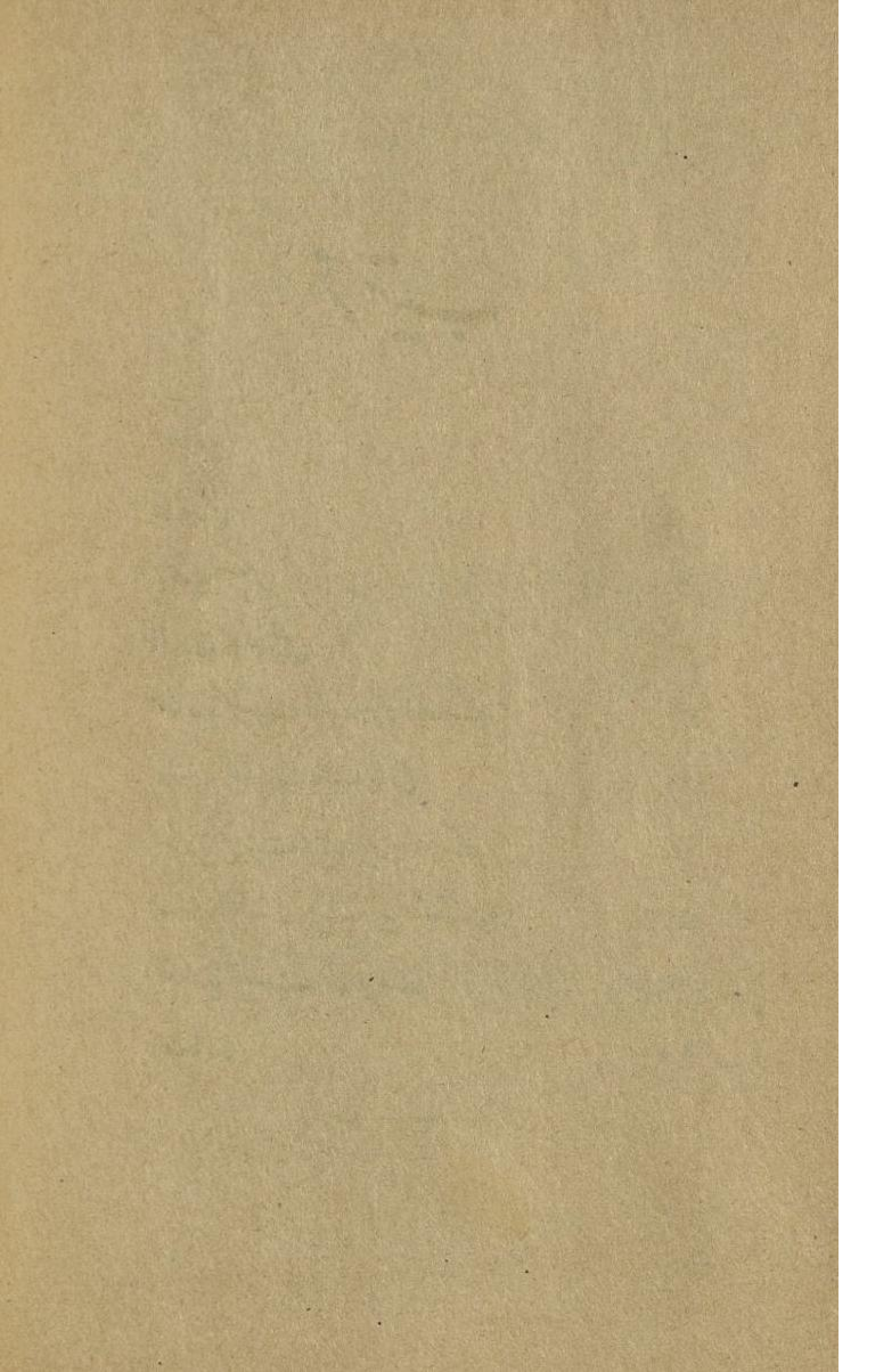
معاویہ

بڑی شخصیتیں اس عالم میں کبھی کبھار ہی پیدا ہوتی ہیں۔ مگر چونکہ ان کی روشنی تیز اور ان کے کارنامے درخشاں ہوتے ہیں، لہذا وہ ہدایت کے مینار اور آنے والے فرزندوں کے لیے نمونہ بن جاتے ہیں۔ نوجوان ان کی شخصیت کو پیش نظر رکھ کر اپنی طبائع اور کوششوں کو بارآور بناتے ہیں تاکہ ان کا ماحول، عقلی، ادبی، سیاسی اور دینی طور پر ایک ترقی یافتہ پاک صاف ماحول بن جائے جس میں جہالت اور تاریکی کا نام تک نہ ہو۔

ایسی ہی بلند پایہ شخصیتوں میں سے ایک شخصیت نیرہ صدی پیشتر حجاز کی بے آب و گیاہ سرزمین میں پیدا ہوئی، بچپن حجاز میں گزارا اور جوانی شام میں، یہ معاویہ بن ابی سفیانؓ تھے۔

معاویہ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور اپنے باپ ابوسفیان کی زیر نگرانی پرورش پائی جو جاہلی زمانہ میں بہت بڑے سردار تھے۔ معاویہ اسلام لائے تو کاتب وحی مقرر ہو گئے[1] آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد تھے کیونکہ آپ بڑے ثقہ، ذکی اور عمدہ اخلاق والے تھے۔ اسی رتبہ عظیم کی بنا پر وہ اسلام کے بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے رہے، جو آگے چل کر جبکہ حضرت علیؓ کے ساتھ ان کی مشہور مخاصمت و جنگ ہوئی ان کے دوست یا دشمن بن گئے۔

آپ کا تعارف ہر سہ خلفائے اسلام، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت

عثمان بن طلحہ، زبیر بن العوام اور ام المومنین حضرت عائشہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بخوبی تھا اور عرب کے مشہور سیاسی لوگوں مثلاً عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ اور بہت سے ایسے انصار سے تھا جو قریشی نوجوانوں سے کچھ کچھ رقابت رکھتے تھے، نیز ان دوسرے قائدینِ قوم سے بھی تھا جنھیں مصلحتِ وقت نے اسلام کے جھنڈے تلے جمع کر دیا تھا۔

حضرت معاویہؓ نے بسا اوقات اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ میں نے اسلامی مرکز سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا اور بہت سے قیمتی تجربات حاصل کئے۔

پھر ہم انھیں اپنے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے لشکر میں بحیثیت سپہ سالارِ لشکر دیکھتے ہیں، جو ملکِ شام کے فتح کرنے کے لیے جمع ہوا تھا[2]۔ بعد ازاں ہم انھیں بیس سال تک بحیثیت حاکم شام و عراق دیکھتے ہیں، پھر دیکھتے ہیں کہ وہ مسندِ خلافت پر متمکن ہیں جس کے سامنے تمام عالمِ اسلام سر جھکائے ہوئے ہے، آپ کی مدتِ خلافت بھی مدتِ ولایت سے کم نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کی طویل سیاسی زندگی ہمیں بتاتی ہے کہ آپ میں لیڈری کا جوہر موجود تھا۔ آپ اپنے منصب کی پوری طرح حفاظت کر سکتے تھے اور اس پر قائم رہتے تھے، آپ کبھی مایوس نہیں ہوئے کہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ رہیں۔ آپ کے سیاسی دشمن بھی آپ کی طاقت اور ساحرانہ شخصیت کو مانتے تھے جو لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی، گو انھیں اس بات کا صدمہ تھا کہ معاویہ نے خلافت کو بادشاہت سے بدل دیا ہے، شوریٰ کی بنیاد کو منہدم کر ڈالا ہے، حضرت علیؓ کو خلیفہ تسلیم نہیں کیا اور مملکت اپنے خاندان کے لیے مخصوص کر دی ہے۔

آپ کے شریک کار اور آپ کی حکومت کو تقویت پہنچانے والے کچھ ایسے لوگ تھے

جو بطور حلیف آپ کے سامنے جھک گئے تھے مثلاً حضرت عمروؓ بن العاص نے آپ کا اس وقت تک ساتھ نہیں دیا جب تک کہ آپ سے مصر اور مغرب کی گورنری کی شرط نہ منوالی۔[۳]

اس سلسلہ میں جو معاہدہ ان دونوں کے درمیان لکھا گیا تھا اس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

"معاویہ بن ابی سفیان نے عمرو بن العاص کو یہ قول دیا ہے کہ اہلِ مصر اس کے لشکری ہوں گے، اس شرط پر کہ وہ کبھی نافرمانی نہیں کریں گے۔"[۴]

حضرت عمرو بن العاصؓ انھیں کچھ بھی نہ دیتے تھے، بلکہ تمام مال مسلمانوں پر تقسیم کر دیتے تھے جو کچھ بچ رہتا وہ خود لے لیتے تھے۔[۵]

کتاب الفخری کا مصنف لکھتا ہے کہ

"معاویہ و عمرو بن العاص میں قلبی محبت نہیں تھی بلکہ دونوں ایک دوسرے سے بغض رکھتے تھے، بسا اوقات اس امر کا اظہار ان دونوں کے چہروں اور اقوال سے بھی ہو جاتا تھا۔[۶]

دراصل چونکہ دونوں کی مصلحت ایک تھی اس لیے آپس میں اتحاد ہو گیا تھا کیونکہ معاویہ خلافت چاہتے تھے اور عمرو بن العاص سرسبز و شاداب مصر کی سرزمین پر اپنی عملداری۔

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ عبدالرحمٰن بن خالد، حبیب بن مسلمہ الفہری، بسر بن ارطاق، ضحاک بن قیس، ابوالاعور اسلمی، حمزہ بن مالک الحمدانی اور شرجیل بن سمط الکندی، جیسے لوگ آپ کے سپہ سالار، مشیر حکومت اور قائدین تھے۔[۷] پہلے چار جن کے نام ہم نے ابھی درج کئے گئے تھے، ابوالاعور اسلمی، قبیلۂ قیس سے تھے، جس سے حضرت معاویہؓ کا تعلق تھا۔

امیر معاویہؓ نے کسی قبیلے یا گروہ کے اعتبار سے گروہ بندی نہیں کی تھی، کہ وہ ایک گھرانے میں تفرقہ ڈال دیتے، بلکہ آپ نے اپنے جملہ اہلِ وطن کی مساعیِ جمیلہ سے فائدہ اٹھایا، خواہ وہ انصاری تھے یا یمنی۔

جب معاویہؓ تختِ خلافت پر بیٹھ گئے تو قریش کے قبائل نے اپنی عداوت دھیمی کر دی۔ اس طرح معاویہؓ نے دمشق میں ایک ایسی حکومت قائم کر دی جو مختلف گروہوں سے بنی تھی مگر اس کے باوجود وہ اعلانیہ طور پر کسی ایک گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں تھی۔

سوائے حضرت شرجیلؓ کے مذکورہ بالا تمام قائدین جوانی کی حالت میں ملکِ شام میں آئے، یہ لوگ یزید بن ابی سفیان کی خدمت کرتے رہے اور کوئی تیس سال تک امیر معاویہ کے خادموں میں رہے، یہ لوگ بڑے اچھے قائد تھے، اپنے منصب پر اپنی قابلیت کی بنا پر فائز ہوئے تھے لہذا امیر معاویہؓ نے ان لوگوں سے اپنی ان لڑائیوں میں کام لیا جو سلطنت کی توسیع کے سلسلے میں کی گئی تھیں۔ حبیب بن مسلمہ الفہری نے عراق، ارمینیا اور صفین میں بہادری کے خوب جوہر دکھائے، اور ابوالاعور اسلمی اور بُسر بن ارطاق نے مصر و افریقہ میں خوب کام کیا۔[۹]

بُسر بڑی عجیب و غریب شخصیت کا مالک تھا اور بڑا بہادر تھا، اس نے حضرت معاویہؓ کی اشاعتِ سلطنت میں بڑا حصہ لیا۔ یہ ان بدوؤں سے تھا جن کے دلوں میں کبھی رحم داخل نہیں ہوتا، اسی لیے وہ اپنے دشمنوں پر اچانک حملہ کر دیتا تھا اور انھیں تلوار کے گھاٹ اتار دیتا۔

یہ سپہ سالار حضرت معاویہؓ کی عام مہموں مثلاً اناضول وغیرہ میں شریک ہوئے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ادھر عبدالرحمٰن بن خالد اور حبیب بن مسلمہ الفہری حکومتِ بیزنطیہ پر پے در پے ضربِ کاری لگا رہے ہیں تو ادھر ابوالاعور اسلمی اور بُسر بن ارطاق بحری لڑائیوں میں حضرت معاویہؓ کے بحری بیڑے کی کمان کر رہے ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ یہ سنگدل سپہ سالار بعض اوقات بڑے بڑے سیاسی

کارناموں میں مشغول نظر آتے ہیں[۱۰]۔ چنانچہ ابو الاعور اسلمی اور حبیب بن مسلمہ الفہری جنگِ صفین کے دوران میں صلح کی گفتگو کرتے اور اذرح کی کانفرنس کے لیے ایک اصولی چارٹر مرتب کرتے نظر آتے ہیں، آخر دور میں حبیب بن مسلمہ شمالی سوریا میں حدودِ بیزنطیہ تک جندِ قنسرین کا حاکم ہو گیا تھا، ابو الاعور اسلمی اردن کے لشکر کا اور شرجیل لشکرِ حمص کا۔

سوری لشکر میں زیادہ تعداد اہلِ یمن کی تھی، طبری لکھتا ہے۔ کہ "وہ شامی لشکر میں اکثریت رکھتے تھے[۱۱]۔ امیر معاویہؓ نے بیزنطیوں اور عراق کی جنگ میں انھیں پر اعتماد کیا تھا اور وہ ان کی شمشیرِ قاطع ثابت ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اور بھی قابلِ ذکر کارنامے کیے تھے[۱۲]۔

بحری جنگ اور بحری قیادت میں یمنی آپ کے دستِ راست تھے۔ اسی لیے آپ ان پر مہربان تھے کیونکہ وہ آپ کے ساتھ خلوص رکھتے تھے اور آپ کی طرف مائل تھے آپ نے بعض یمنیوں کو اپنا راز داں بھی بنایا تھا۔

جب ان لوگوں نے اس دینِ جدید یعنی اسلام کو قبول کیا تو وہ "عربیتِ شاملہ" کی طرف دیکھنے لگے[۱۳]۔ لہٰذا آپ کے ہاں گروہ بندی نہ تھی، اسی لیے وہ رفتہ رفتہ شامی بن گئے اور ان کے پروپیگنڈا کرنے والوں سے ہو گئے۔ اگرچہ حضرت معاویہ نسب کے اعتبار سے قیسی تھے مگر وہ یہ جانتے تھے کہ وہ قبائلِ عربیہ جو عرصہ سے شام میں رہتے ہیں، ان کے ساتھ ساز باز رکھنا ان کے لیے بہت فائدہ مند ہے اور اموی شہنشاہیت کے قیام کے لیے از بس ضروری ہے۔ یمنی چونکہ حکومت بیزنطیہ کے زیرِ سایہ نظام اور سکون کے عادی رہ چکے تھے لہٰذا وہ امیر معاویہؓ کی حکومتِ شامیہ کے رکنِ رکین بن گئے۔

قیسی جو کہ شام کی مشرقی جانب میں رہتے تھے اقلیت میں تھے۔ ان کی اکثریت

قنسرین میں رہتی تھی لہٰذا صرف انہی کی طرف جھک جانا دانشمندی کے قرین نہ تھا جبکہ اکثریت اہلِ یمن کی تھی چنانچہ جب حضرت علیؓ اور معاویہؓ میں اختلافات پیدا ہوئے تو لوگوں نے آپ سے کہا کہ اہلِ یمن کو قبضہ میں لیجئے خصوصاً ان کے زعیم شرجیل بن السمط کو۔

یمنی اور قیسی چونکہ شامیوں کیساتھ رہتے سہتے تھے: لہٰذا ان کی عقول اور افکار تہذیب یافتہ ہو گئے تھے۔ انھوں نے پرانے رواجوں اور دیہاتی زندگی کو چھوڑ دیا تھا مگر یہ کہ بعض قیسیوں میں یہ بات مستحکم رہی جیسے بنو غطفان، فزارہ اور بنو مرۃ میں۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ مؤرخ میثال الیعقوبی، حبیب بن مسلمہ کو شامی شیطان سے تعبیر کرتا ہے حالانکہ وہ قرشی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ یہ عرب بالخصوص ان کے فرزند اپنے وطنِ اوّل کو بھول ہی گئے تھے اور شام کو اپنا وطنِ ثانی سمجھتے تھے اور یہ لوگ نرم مزاج اور اس قابل تھے کہ انھیں ہر جدّت کی طرف آسانی سے موڑا جا سکتا تھا۔

امیر معاویہؓ اپنے معاملات میں سوریا کے اشراف اور اصحاب الرائے لوگوں سے مشورہ لیا کرتے تھے، بسا اوقات بلا کسی خوف کے اُن کے سامنے لوگ آزادانہ رائے کا اظہار کرتے تھے جیسا کہ آجکل یورپین پارلیمنٹ میں ہوتا ہے۔

حصری لکھتا ہے، کہ "جب آپ کسی کام کو کرنا چاہتے تو لوگوں کو کچھ نہ کچھ اختیار دیتے۔" لامنس لکھتا ہے کہ

"امیر معاویہ یقیناً اس قابل ہیں کہ وہ ہمارے اس دور میں ہر مجلسِ قانون ساز کی کرسیٔ صدارت پر جلوہ افروز ہوں۔"[١٥]

---

[١٥] حیاۃ الحیوان للدمیری جلد اوّل صفحہ ۶۷، ابنِ خمیس جلد دوم صفحہ ۳۲۵، الفخری صفحہ ۹۴

تاریخ ابوالفداء جلد اوّل صفحہ ۱۸۸

۲؎ حیوٰۃ الحیوان للدمیری جلد اوّل صفحہ ۶۷، ابن خمیس جلد دوم صفحہ ۳۲۵۔

۳؎ و ۴؎ الیعقوبی جلد دوم صفحہ ۲۶۲-۲۶۳۔

۵؎ الیعقوبی جلد دوم صفحہ ۲۶۳۔ ابنِ خمیس لکھتا ہے کہ حضرت معاویہ نے مصر کا چھ سال تک خراج نہیں لیا۔ ملاحظہ ہو جلد دوم صفحہ ۲۳۶۔

۶؎ الفخری صفحہ ۹۶

۷؎ تاریخِ طبری جلد اوّل مطبوعہ لیڈن صفحہ ۳۲۷۲، ۳۳۶۰، ۳۳۹۶۔ تاریخِ طبری جلد دوم صفحہ ۱۳۹

۸؎ البلاذری ۱۷۶، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۹، ۱۹۸، ۲۰۴ نیز دیکھو الیعقوبی جلد دوم صفحہ ۱۷۸، ۱۸۰ تاریخِ طبری جلد اوّل صفحہ ۲۸۰۸، ۲۸۷۱، ۲۸۸۹، ۲۸۹۳، ۲۸۲۷۔

۹؎ تاریخِ طبری جلد دوم صفحہ ۱۲، ۲۱۲

۱۰؎ تاریخِ طبری جلد اوّل صفحہ ۳۲۷۷، ۳۳۲۷

۱۱؎ تاریخِ طبری جلد دوم صفحہ ۱۷۷۵

۱۲؎ الاغانی جلد سترہ صفحہ ۶۲-۶۳

۱۳؎ لامنس صفحہ ۵۳

۱۴؎ الدولۃ البیزنطیہ مطبوعہ بغداد مصنفہ صالح احمد

۱۵؎ لامنس صفحہ ۵۸

خانہ جنگی

جب حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے تو مہاجرین و انصار جمع ہو کر حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ۳۵ھ (۶۵۵ء) میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ حضرت علیؓ کے گروہ میں اکثریت انصاریوں کی تھی۔ وفاتِ رسولؐ کے وقت سے یہ لوگ حضرت ابوبکرؓ کے خلیفۃ المسلمین بن جانے سے کچھ خوش نہ تھے بلکہ اس پر اعتراض کرتے تھے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تینوں بار حضرت علیؓ کو منتخب کرانے میں کامیاب نہیں ہوئے، بلکہ مسند خلافت پر پہلے ابوبکرؓ، پھر عمرؓ اور پھر حضرت عثمانؓ جلوہ گر ہوئے، مگر اس کے باوجود انصاری حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کے قتل پر خوش نہیں ہوئے بلکہ انھیں سخت صدمہ پہنچا چنانچہ حضرت حسانؓ بن ثابت، نعمان بن بشیر اور کعب بن مالک نے بڑا رنج کیا۔

اگر ہم چند ایک اشراف مدینہ سے قطع نظر کر لیں تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ بلادِ اسلامیہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دوست بہت کم تھے۔ بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قریشیوں کی اکثریت آپ سے ناراض رہی اور حضرت معاویہؓ کا ساتھ دیتی رہی۔ لہٰذا آپ ان کی کراہت سے ملول رہے۔[1]

رہے مہاجرین مکہ سو وہ حضرت علیؓ کے ساتھ رہے خواہ آپ سے دور رہے یا قریب، ہاشمی ان کے معین و مددگار اور فطرتاً ان کے حامی کار تھے مگر ان میں

سے بھی بعض آپ سے ہٹ گئے تھے، جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسامہ بن زید رضؓ جو رسول اللہؐ کے متبنیٰؓ کے بیٹے تھے، اور عقیل بن ابی طالب جنھوں نے آخری دور میں نوجوانی میں اسلام قبول کیا تھا۔ فتح مکہ سے پہلے کسی معرکہ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔

خراسان، مصر اور عراق نے حضرت علی کی اطاعت قبول کر لی مگر اطراف میں آپ کو کسی قسم کی طاقت حاصل نہ تھی، بس یہ اطاعت برائے نام تھی۔

آپ کی بیعت سے سعید بن زید، عبداللہ بن سلام، مغیرہ بن شعبہ، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر الخطاب اور ابوموسیٰ اشعری جدا رہے[2]۔ جو کہ اذرح کانفرنس میں حکم تھے[3]۔ لہٰذا لوگ انھیں معتزلہ کہنے لگے۔ مگر یہ وہ معتزلہ نہیں ہیں جو مشہور فرقہ ہے۔

ان لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ چونکہ شامی ہمارے دینی بھائی ہیں لہٰذا ان کے ساتھ ہمیں قتل و قتال جائز نہیں کیونکہ یہ فتنہ ہے۔ چنانچہ جب حضرت علیؓ نے اسامہؓ کو اپنے ساتھ ملانا چاہا تو انہوں نے حضرت علیؓ سے اعتذار کرتے ہوئے کہا تھا۔

"مجھے آپ اس طرح خروج کرنے پر معاف رکھیئے کیونکہ میں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہے گا میں اس پر تلوار نہیں اٹھاؤنگا۔"[4]

نیز فرمایا

"کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنے شامی بھائیوں کے ساتھ لڑنے جائیں؟"

حضرت سعد بن ابی وقاص نے حضرت علی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"مجھے ایسی تلوار دیجئے جو مسلمان اور کافر کے درمیان تفریق کر دے۔"[5]

پھر ان میں سے اکثر لوگ حضرت معاویہ سے مل گئے اور انہی سے حزبِ عثمانی کی تشکیل ہوئی تھی جو بنو امیہ کو بنو ہاشم پر ترجیح دیتے تھے کہ شام مدینہ سے بہتر ہے۔[۸] یہ لوگ حضرت علی بن ابی طالب کی لڑائیوں میں شریک نہیں ہوئے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ حضرتِ عثمان ناحق قتل کر دیئے گئے۔ حضرت کعب بن مالک نے خلیفہ مقتول کے بارے میں کئی مرثیے لکھے، قبل از شہادت انصار کو ان کی امداد پر بھڑکایا اور مدد نہ کرنے پر انھیں ملامت کی۔[۹] حضرت معاویہ کے ساتھ ان لوگوں کا اتحاد اور حضرت علی سے اعتزال اس امر کی دلیل ہے کہ خلافتِ علی ان لوگوں کی نظروں میں مشکوک تھی اور یہ لوگ اصولی طور پر آپ سے اختلاف رکھتے تھے۔

عثمانیہ کا لفظ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ لوگ خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کے عزیز یا ساتھی ہیں، مگر اس کلمے کا اطلاق خانہ جنگی میں اس گروہ پر ہوا جو کہ خلیفہ مقتول کے خون کا قصاص طلب کرتے تھے اور ان لوگوں کا خون بہانا چاہتے تھے جنھوں نے خلیفہ مظلوم کو مارا۔

ان ہی سے بعض نے یہ بھی کہا کہ اس بغاوت میں جو کہ مدینہ میں ابھری حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ تھا جس کے نتیجے میں حضرتِ عثمان شہید ہوئے لہذا آپ تختِ خلافت پر نہیں بیٹھ سکتے۔

یہ سمجھنا کہ عثمانیہ فرقہ حضرت معاویہ کے گروہ کا نام ہے یا ان کے ارادتمندوں کی جماعت ہے غلطی ہے۔ در اصل جو لوگ حضرت معاویہ سے اس بنا پر آملے تھے کہ وہ عثمانِ غنی کے خون کا مطالبہ کریں وہ عثمانیہ کہلاتے تھے۔[۱۱]

رہے قبائلِ عرب تو ان میں سے کچھ تو حضرت علی کے ساتھ تھے اور کچھ

حضرت معاویہ کے ساتھ مگر باجلہ اور ابوبکر جو دو خالص عراقی قبیلے تھے حضرت علی ابن ابی طالب کی طرف دعوت دیتے تھے۔ پھر جزیرہ میں تغلب بھی ان سے مل گئے اور ان کے شریک ہو گئے، جس طرح کہ وہ اس سے پیشتر بھی غیروں کے ساتھ عراق کی حفاظت کو مدِنظر رکھتے ہوئے مل چکے تھے۔ مگر یہ تغلبی ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو آپ کی خاطر جان گنوانا پسند کرتے تھے کیونکہ ہم کچھ دنوں بعد انھیں کوفہ میں امیر معاویہ کے گروہ میں دیکھتے ہیں۔ ہاں البتہ جو تغلبی سوریا میں رہتے تھے وہ یقیناً امیر معاویہ کی جماعت سے تھے، ان کے شاعر اخطل شامی[۱۲] کا معاویہ کے دربار میں آنا جانا اس امر کی کھلی دلیل ہے۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو، یمن، مصر اور عراق حزبِ علوی کے ستون تھے اور ان کے مددگار تھے مگر ان شہروں میں بہت سے عثمانی بھی تھے جنھیں آپ کی شہادت کا سخت صدمہ تھا اور چند ایک معتزلہ بھی تھے۔ مصر میں ان لوگوں کی تعداد دس ہزار کے قریب تھی۔ حضرت علی ان لوگوں کو خائن کہا کرتے تھے[۱۳] کیونکہ ان لوگوں نے آپ کی مدد نہیں کی تھی بلکہ ان میں سے اکثر لوگ جنگِ صفین میں حضرت معاویہ کی طرف سے شریک ہو گئے تھے اور انھوں نے مصر و عراق کی فتح میں امیر معاویہ کی مدد کی تھی۔

امیر معاویہ ان اسباب کا ذکر کرتے ہوئے، جن کی وجہ سے وہ حضرت علی پر غالب آئے، بیان کرتے ہیں :-

"میں علی پر تین وجہ سے غالب آیا، علی کا ظاہر و باطن ایک تھا اور میں اپنے اسرار کو چھپاتا تھا، آپ بُرے لشکر اور مختلف الخیال لوگوں میں گھرے ہوئے تھے اور میرا لشکر میرا فرماں بردار اور مختلف الخیال نہ تھا۔ آپ اصحابِ جمل سے لڑے تو میں نے کہا، اگر آپ ان پر فتحیاب ہو گئے تو میں سمجھوں گا کہ تھک چکے ہیں اور اگر وہ لوگ غالب آ گئے

تو مجھے بہ نسبت آپ کے ان سے کم خطرہ ہوگا۔"[۱۴]

العقد الفرید کا مصنف لکھتا ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

"میں قریشیوں کے ہاں آپ سے (علی سے) زیادہ محبوب تھا تو اچھے لوگ مجھ سے آملے اور ان سے ٹوٹ گئے۔"[۱۵]

علاوہ بریں[۱۶] معاویہ سیاسی تفوق رکھتے تھے اور رجال علی کو اپنا بنا لیتے تھے جیسا کہ اذرح کی کانفرنس سے یہ بات واضح ہے۔

---

[۱] الاغانی صفحہ ۱۵ جلد ۴۵ ملاحظہ ہو علی بن ابی طالب کی چھٹی عقیل کے نام

[۲] المسعودی جلد دوم صفحہ ۴۵ و روضۃ المناظر لابن شحنہ صفحہ ۲۱۳-۲۱۴

[۳] جنگ صفین میں یہ طے پایا تھا کہ دو حَکَم یعنی دو فیصل منتخب کر لیے جائیں، ایک حضرت علی کی جانب سے اور ایک حضرت معاویہ کی جانب سے، وہ دونوں جو فیصلہ دیں امت اس کو مانے، یہ ابو موسیٰ حضرت علی کی طرف سے حَکَم منتخب ہوئے تھے اور امیر معاویہ کی طرف سے عمرو بن العاص حَکَم تھے۔ (صارم)

[۴] الدنیوری صفحہ ۱۵۲

[۵] الدنیوری صفحہ ۱۷۵

[۶] الدنیوری صفحہ ۱۵۲

[۷] تفصیل کے لیے دیکھئے تاریخ طبری جلد اول صفحہ ۳۳۴۸ نیز دیکھئے ابن العربی کی تاریخ الاول صفحہ ۱۸۰ اور یعقوبی جلد دوم ۲۱۸۔

۸ـہ الاغانی جلد ۱۵ صفحہ ۳۰

۹ـہ الاغانی جلد ۱۵ صفحہ ۲۶

۱۰ـہ بنو قشیر عثمانی تھے، یہ لوگ حضرت ابوالاسود الدؤلی کے سوتے میں پتھر مارا کرتے تھے کیونکہ وہ حضرتِ علی کے معتقد تھے۔ اس بارے میں انھوں نے بنو قشیر کی مذمت کی ہے (صادم)

۱۱ـہ لانس صفحہ ۱۱۹، ۱۲۰

۱۲ـہ جیسا کہ فرزدق کہا کرتا تھا۔

۱۳ـہ تاریخ طبری جلد اوّل صفحہ ۳۳۶۹، ۳۳۷۱، ۳۴۰۲

۱۴ـہ تاریخ طبری جلد اوّل صفحہ ۳۳۲۲۔ تاریخ ابوالفداء جلد اوّل صفحہ ۱۹۹

۱۵ـہ العقد الفرید لابن عبدربہ جلد دوم صفحہ ۲۳۷

۱۶ـہ تفصیل کے لیے دیکھیے کتاب اعلام الاسلام مطبوعہ مصر (صادم)

جنگِ صفّین

جب حضرت عثمانِ غنی شہید کر دیئے گئے اور کچھ لوگ حضرت علی کی بیعت سے علیحدہ ہو گئے اور کچھ عثمانی بن گئے تو امیر معاویہ نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا۔ وہ حالات کا جائزہ لیتے رہے تھے۔ انھوں نے حضرت علی سے بیعت نہیں کی تھی۔ کیونکہ وہ اپنی سیادت و سلطنت کے خواب دیکھ رہے تھے اور پورے عرب پر غلبہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔

ابو سفیان کا خاندان قریش میں ہمیشہ برسرِ اقتدار رہا۔ انھیں ڈر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بیعت کر لوں تو وہ مجھے معزول کر دیں[1]۔ لہٰذا انھوں نے اس بارے میں حضرت عمرو بن العاص سے مشورہ کیا کہ کیا صورت کی جائے جس سے میری گورنری باقی رہے؟ انھوں نے کہا:۔

"اہلِ شام کے دلوں میں یہ بات بٹھا دیجئے کہ علی نے حضرت عثمان کی شہادت پر فتنہ اٹھنے سے پیشتر باغیوں سے ساز باز کر رکھی تھی اور بڑے بڑے سرداروں کو اپنے ساتھ ملایئے خصوصاً شرجیل بن السمط کو[2]"

امیر معاویہ نے اپنے حاشیہ نشینوں سے کہا کہ مختلف اوقات میں ایک ایک آدمی جائے اور حضرت شرجیل کو قتلِ عثمان کی خبر دے اور ان کے دل میں یہ بات

بتھا دے کہ آپؓ مظلومانہ طور پر قتل کیے گئے۔

چنانچہ شرجبیل از خود حضرت معاویہ کے پاس آئے اور کہنے لگے "قسم بخدا اگر تو نے علی سے بیعت کی تو ہم تجھے شام سے نکال دیں گے۔"

حضرت معاویہؓ نے فرمایا "میں تمہارے حکم کے خلاف نہیں جا سکتا میں بھی تو تم ہی میں سے ایک فرد ہوں گا۔"

جب امیر معاویہ اس مشکل کو حل کر چکے اور دیکھ چکے کہ زعیم شام اپنے اخلاص میں پختہ ہے تو عوام کے قلوب کے موہ لینے کی طرف ملتفت ہوئے۔ لہذا آپ نے حضرت شرجبیل کو سوریا کے شہروں میں بیعت لینے کے لیے بھیجا تاکہ لوگوں سے خلیفۂ مظلوم کا قصاص لینے پر مدد کریں، آپ روتے اور لوگوں کو رلاتے اور حضرت عثمانؓ کے مصائب کو یاد دلاتے تھے۔

یہ امورِ ۵ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ معاویہ لوگوں کی نفسیات و جذبات سے کھیلنا خوب جانتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ تمام لوگوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا۔ صرف اہل حمص میں سے ایک گروہ نے آپ کا ساتھ نہیں دیا۔

پھر آپ نے تمام عالم اسلامی کو وہ اسباب لکھ بھیجے جنھوں نے انھیں بغاوت پر مجبور کیا اور انھیں حضرت علی کے کارندوں کے نام بھی روانہ کیا۔ یہ وہ اسباب و احوال ہیں جو عثمانی تحریک کی بنیاد ہیں۔

"اما بعد! تم لوگ طاعت و جماعت کی طرف بلاتے ہو، وہ جماعت جس کی طرف تم لوگ دعوت دیتے ہو ہمارے ساتھ ہے۔ رہی تمہارے دوست

کی اطاعت ، سو وہ ہم پر فرض نہیں ، کیونکہ تمہارے دوست نے ہمارے خلیفہ کو قتل کرایا ، ہماری جماعت میں انتشار پیدا کیا۔ ہمارے خلیفہ کے قاتلوں کو پناہ دی ، تمہارا رفیق کہتا ہے کہ میں نے تو قتل نہیں کیا۔ ہم اس کی تردید نہیں کرتے۔ مگر کیا تم نے ہمارے خلیفہ کے قاتلوں کو دیکھا ہے ؟ کیا وہ تمہارے دوست کے دوست نہیں ہیں ؟ تو تمہارے امام کا فرض ہے کہ ان قاتلوں کو ہمارے حوالے کرے تاکہ ہم خلیفۂ مقتول کا بدلہ ان سے لیں۔ اور پھر طاعت و جماعت کی طرف لبیک کہیں ۔"

امیر معاویہ نے حضرت علی کے لیے یہ ایک بڑی مشکل پیدا کر دی تھی جس کا حل بہت ہی دشوار تھا۔ کیونکہ علی قاتلین عثمان کو ان کے حوالے کیسے کر سکتے تھے جبکہ وہ لوگ آپ کے دست و بازو اور مددگار تھے ؟ اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو پھر تمام امت میں شک کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ خواہ خود آپ ان کے نزدیک مدینہ کے حادثے میں دخل ہو یا نہ ہو۔

حضرت علی بن ابی طالب نے ان باتوں کا بہت مبہم طور پر جواب دیا۔ جس سے لوگوں کو اطمینان قلب نصیب نہ ہو سکا۔ کیونکہ آپ اس تہمت کو جو امیر معاویہ نے لگائی تھی واضح طور پر رفع نہ کر سکے لہذا آپ کی دعوت اور آپ کے مبلغین میں ایک قسم کی لرزش پیدا ہو گئی ۔ آپ کا جواب ملاحظہ ہو ۔

" تم نے جو یہ مطالبہ کیا ہے کہ میں قاتلین عثمان کو تمہارے حوالے کر دوں ، تو میں اسے مناسب نہیں سمجھتا کیونکہ میں بایقین جانتا ہوں کہ

تمہارا یہ مطالبہ صرف اپنے مقاصد کی تکمیل کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے، تم دراصل خونِ عثمان کے طالب نہیں ہو[۹]۔"

پھر علی اور معاویہ دونوں شام کی سرزمین میں صفین کے مقام پر فرات کے کنارے جمع ہوئے اور آپس میں ٹکرائے۔ شروعات اس طرح ہوئی کہ معاویہ اور ان کے دوستوں نے پانی پر قبضہ جمالیا اور اصحابِ علی کو پانی سے قطعاً روک دیا۔ گو وہ بعد میں مجبور ہو گئے اور جنگ کے بعد پانی سے پیچھے ہٹ گئے[۱۰]۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جب حضرت علی انھیں قتل و قتال سے باز رکھ رہے تھے تو ان دلوں دونوں فریق آپس میں ہنسی خوشی ملتے جلتے تھے اور ایک دوسرے کو کچھ نہیں کہتے تھے۔ کیونکہ انھیں امید تھی کہ صلح ہو جائے گی[۱۱]۔

لڑائی کا طریقہ یہ تھا کہ ایک جماعت ادھر سے اور ایک جماعت ادھر سے نکلتی تھی اور دونوں آپس میں لڑتے تھے۔ لشکر لشکر سے نہیں بھڑا کیونکہ وہ ڈرتے تھے کہ کہیں قتل و قتال سے بہت سے آدمی نہ مارے جائیں[۱۲]۔

دونوں فریق میں سے کسی کو شکست نہ ہوئی حتیٰ کہ یوم ہریر آپہنچا[۱۳]۔ یہ دن جنگِ صفین میں بڑا سخت گزرا ہے۔ اس دن اہلِ عراق نے اہلِ شام پر لشکر کشی کر دی اور انھیں پیچھے ہٹا دیا۔ آپس میں ایک دوسرے نے مجنونانہ طور پر ایک دوسرے پر حملہ کیا حتیٰ کہ نیزے ٹوٹ گئے، تلواریں پارہ پارہ ہو گئیں، تیر ختم ہو گئے، وہ ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور اینٹ پتھر پھینکنے لگے[۱۴]۔

حضرت علی نے ہر عراقی قبیلے کو حکم دیا کہ وہ اپنے جیسے شامی قبیلے کا مقابلہ کرے، اگر کوئی اس جیسا قبیلہ ان میں نہ ہو تو پھر اسے دوسرے قبیلے کے سپرد کر دے، جیسے بجیح والوں کو آپ نے قبیلۂ لخم کے سپرد کر دیا تھا۔[۱۵]

جب فتح کی علامات واضح ہو گئیں تو عمرو بن العاص نے امیر معاویہ کو مشورہ دیا کہ کلام پاک نیزوں پر بلند کئے جائیں اور قرآنی حکم کی طرف لوگوں کو دعوت دی جائے۔ اس سے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ حضرت علی کے گروہ میں تفریق ڈال دیں۔ کیونکہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ اگر وہ متحدہ طور پر مان لیں گے، تب بھی ان میں اختلاف پڑ جائے گا، اور اگر متحدہ طور پر نہیں مانیں گے تب بھی مختلف الخیال ہو جائیں گے۔[۱۶]

دوسرا مقصد اس سے یہ تھا کہ اہل شام کو ایک طویل مدت یا تھوڑی سی مدت کے لیے جنگ سے بچالیں۔ اس امر نے بھی لشکر کے دلوں پر اثر کیا کہ یہ بات کہی گئی تھی :-

"اہلِ شام کے علاوہ شامی سرحدوں کی کون حفاظت کر سکتا ہے۔ اور اہلِ عراق کے علاوہ عراق کی سرحدوں کی کون محافظت کر سکتا ہے۔"

یہ ایک ایسی چیز تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حزب مخالف جنگ سے بچنا چاہتا ہے اور دین کی آڑ لے کر مقصد کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ عمرو بن العاص کا تیر کارگر ہو گیا، یعنی حزب مخالف میں تفرقہ پیدا ہو گیا، کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ مکاری ہے تو دوسروں نے کہا :-

"ابتداءً ہم نے اہلِ شام کو کلامِ پاک کی طرف دعوت دی تھی۔ وہ

نہ مانتے تھے تو ہمارے لیے ان کا خون حلال ہو گیا تھا، اب انھوں نے ہمیں کلامِ ربانی کی طرف دعوت دی ہے، اگر ہم ان کی دعوت کو نہ مانیں گے، تو ان کے لیئے ہمارا خون حلال ہو جائے گا۔[۱۷]

بالآخر بحث و مباحثہ اور شک و یقین کی جنگ کے بعد طے پا گیا کہ انھیں[۱۸] تحکیم پر راضی ہو جانا چاہیئے دونوں فریقوں نے مل کر ایک دستاویز مرتب کی جس کی دفعات درج ذیل ہیں۔[۱۹]

(۱) دونوں حَکَم اور دونوں فریق حُکمِ الٰہی اور کتابِ الٰہی کے مطابق چلیں گے۔[۲۰]

(۲) ابو موسیٰ اشعری اہلِ عراق کی جانب سے اور عمرو بن العاص القرشی اہلِ شام کی جانب سے فیصل مقرر ہوں گے۔

(۳) دونوں فیصلہ کنندگان سنّتِ رسول صلعم کا اتباع کریں گے جبکہ کوئی ایسی چیز پیش آجائے گی جو قرآن میں نہ ہو گی۔

(۴) امن، سلامتی اور ہتھیار رکھ دینے کا ہر فریق پابند رہے گا وہ خواہ کہیں بھی جائے اور کہیں بھی رہے، ان کی جان، مال اور آل و اولاد محفوظ رہے گی۔

(۵) امّت دونوں حَکَم کی مددگار ہو گی، علی و معاویہ کو یہ حق نہیں ہو گا کہ وہ حَکَم کے فیصلوں کو رد کر سکیں بشرطیکہ قرآن و سُنّت کے مطابق ان کا فیصلہ ہو۔[۲۱] دونوں فیصلہ کنندگان، اپنی جان، مال، آل اور اولاد کی طرف سے ان دونوں حکومتوں میں بے خوف رہیں گے۔[۲۲]

(۶) اہلِ عراق و اہلِ کوفہ میں دونوں فیصل عدل و انصاف سے فیصلہ کریں گے اور

جس شخص کو چاہیں گے بطور گواہ اپنے ساتھ ملالیں گے۔

(۷) رمضان تک دونوں کو فیصلہ پیش کر دینا ہوگا۔ اگر وہ اس فیصلے کو مؤخر کرنا چاہیں گے تو آپس کی رضامندی سے ایسا بھی کر سکتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سیاسی لوگوں کے معاہدات میں کچھ نہ کچھ ابہام اور عدم تحریر ہوتی ہے تاکہ کسی وقت وہی خود اس کی تشریح کر سکیں۔ جس طرح کہ وہ مسائل کو ایک غیر محدود زمانے پر معلق کر دیا کرتے ہیں۔ کیونکہ بسا اوقات موقع ہاتھ آجاتا ہے اور وہ ان کی تکمیل پر قادر ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ پہلی دفعہ غیر محدود سی ہے۔ کیونکہ حکم الٰہی کا کیا مطلب ہے؟ اور دونوں فیصل کن تفصیلات کو ہاتھ لگائیں گے جبکہ وہ حکم الٰہی کو پالیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کیا دونوں حکم بالاتفاق امت منتخب ہوئے تھے۔ یا کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو ان کے انتخاب کے حامی نہ تھے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علی، ابوموسیٰ کے انتخاب پر خوش نہ تھے، چنانچہ آپ کے اس قول سے آپ کی رائے کا اظہار ہوتا ہے۔

"مجھے اس شخص پر اعتماد نہیں ہے، وہ مجھ سے جدا ہو گیا تھا، لوگوں کو مجھ سے توڑتا پھرا، پھر بھاگا اور پھر میں نے اسے چند ماہ بعد امان دی۔"[۱]

مشہور نقاد احنف بن قیس کی حضرت ابوموسیٰ کے بارے میں رائے ملاحظہ ہو:۔

"میں نے اس شخص کو اچھی طرح سے آزمایا ہے، میں نے اسے کند دھار

ڈالا اور گڑھے میں گرنے والا پایا۔"[25]

تیسری بات یہ ہے کہ نفسِ تحکیم کو ایک بڑی جماعت نے قبول ہی نہیں کیا تھا۔ جو بعد میں خارجی کہلائے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب اشعث لوگوں کو دستاویز کی دفعات سنانے لگے، تو بنو تمیم میں سے ایک گروہ کھڑا ہوا جن میں عروۃ بن ادّیہ تھا۔ اس نے کہا۔

"کیا تم دینِ الٰہی میں تحکیم کرتے ہو، حکم تو سوائے اللہ کے کسی کا نہیں ہے"[26]۔

اسی طرح عنزہ اور بعض اشرافِ مراد وغیرہ نے بھی اس کا انکار کیا۔ چنانچہ بنو راسب پکارے "حکمِ الٰہی میں لوگ کیوں تحکیم کرتے ہیں"[27]

ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ حضرت علی خلافت پر حکمِ الٰہی سے سرفراز ہوئے ہیں، آپ کا منصب بہت بلند ہے، لوگوں کا اس میں کیا دخل یا کسی ایسے آدمی کے چننے کی کیا ضرورت ہے[28]۔ جو آپ کو منصبِ خلافت پر چڑھائے۔ خلافت تو اللہ نے آپ کو بخش دی ہے۔

یہ لوگ حضرت علی کے خلاف کھڑے ہو گئے کیونکہ انھوں نے تحکیم کو قبول کر لیا۔ گویا خود علی کو اپنی خلافت کی صحت میں شک ہو گیا۔ تب ہی تو اپنے آپ کو فیصلہ ثالثی کے سپرد کر دیا۔

پانچویں بات یہ ہے کہ اس دستاویز میں حضرت علی کو امیر المومنین تسلیم نہیں کیا گیا۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے حقِ خلافت سے دست بردار ہو گئے تھے اور اپنے آپ کو معاویہ کی طرح سمجھنے لگے تھے۔ تب ہی تو ثالثوں کے ہاتھ میں اپنی خلافت کی باگ ڈور دے دی اور یہ آپ کی سیاست

کی کمزوری تھی جیسا کہ واضح ہے۔[۲۹]

---

[۱] کتاب الفخری صفحہ ۸۰

[۲] الدینوری صفحہ ۱۶۹

[۳] الدینوری صفحہ ۱۶۹

[۴] الفخری صفحہ ۸۱

[۵] ملاحظہ ہو کتاب دھاۃ العرب، مطبوعہ مصر، (صارم)

[۶] الطبری جلد اوّل، صفحہ ۳۲۷۵ — ۳۲۷۶ - ابن الاثیر جلد سوم صفحہ 115

[۷] الدینوری ۱۷۳

[۸] ملاحظہ ہو، نہج البلاغہ (صارم)

[۹] الدینوری صفحہ ۱۷۴

[۱۰] الدینوری صفحہ ۱۷۹ — ۱۸۰ و الفخری صفحہ ۸۲

[۱۱] الدینوری صفحہ ۱۹۱

[۱۲] الدینوری صفحہ ۱۹۲

[۱۳] الدینوری صفحہ ۱۹۵، تاریخ طبری المجلد الاوّل صفحہ ۳۳۲۷

[۱۴] الدینوری صفحہ ۱۹۵

[۱۵] الدینوری صفحہ ۱۹۳ و الطبری جلد اوّل صفحہ ۳۲۸۷

[۱۶] الطبری جلد اوّل صفحہ ۳۳۲۹، ۳۳۳۰، الفخری صفحہ ۸۲

[۱۷] الدینوری صفحہ ۲۰۲

۱۸؎ دیکھیے کتاب الکامل للمبرد باب الخوارج (صارم)

۱۹؎ یعنی فیصلۂ ثالثی پر دونوں فریق راضی ہو جائیں، حَکَم جو فیصلہ کر دیں۔ وہ مان لیا جائے (صارم)

۲۰؎ الدینوری صفحہ ۱۹۲

۲۱؎ پوری دستاویز تاریخ خضری بیانِ خوارج میں منقول ہے۔ (صارم)

۲۲؎ دیکھیے کتاب الکامل للمبرد باب من اخبار الخوارج مطبوعہ قاہرہ (")

۲۳؎ دیکھیے کتاب الخوارج مطبوعہ قاہرہ۔ (صارم)

۲۴؎ تاریخ طبری المجلد الاوّل صفحہ ۳۳۳۳

۲۵؎ طبری جلد اوّل صفحہ ۳۳۳۴

۲۶؎ طبری جلد اوّل صفحہ ۳۳۳۹

۲۷؎ الدینوری صفحہ ۲۱۰

۲۸؎ دیکھیے کتاب الکامل للمبرد، باب من اخبار الخوارج (صارم)

۲۹؎ دراصل حضرت علی نے دستاویز پر دستخط کرتے وقت اپنے نام کے ساتھ امیرالمومنین لکھا تھا، مگر عمرو بن العاص نے اس پر اعتراض کیا اور کہا اگر ہم آپ کو امیرالمومنین مانتے تو جھگڑا کیوں کرتے۔ آپ اس لفظ کو مٹا دیجیے۔ چنانچہ بادلِ نخواستہ آپ نے اُسے مٹا دیا۔ ایک دفعہ اسی واقعہ کو لے کر آپ پر خوارج نے اعتراض کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا: "صلح حدیبیہ کے وقت بھی رسول اللہ نے نمائندہ کفار کے کہنے پر رسول اللہ کے لفظ کو مٹا دیا تھا تو کیا وہ رسول اللہ نہیں رہے تھے۔ (صارم)

اذرح کانفرنس

ذومۃ الجندل وہ مقام ہے جس کے بارے میں دونوں ثالثوں نے بظاہر پختہ ارادہ کرلیا تھا کہ اسے کانفرنس کا مرکز بنائیں گے۔ کیونکہ یہ مقام شام و عراق کے درمیان واقع ہے۔ اور اذرح کو بھی انہوں نے منتخب کیا تھا کیونکہ یہ خوارج کا مرکز تھا اور بلقاؤ عمان[لہ] کے اطراف سے یہ حجاز کے قریب تھا، جو کہ جرباء سے ایک میل دور ہے، یعنی یہ مقام آجکل معان اور بطرا (وادی موسٰی) کے درمیان واقع ہے۔ قریش کے جو قافلے شام کے ارادے سے آیا کرتے تھے، یہ مقام عہد رسالت میں ان کی اقامت گاہ تھا۔ رومی دور میں اس مقام کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے کیونکہ بحرِ احمر کے لیے یہ ان کا مرکزِ مواصلات اور جائے اقامت تھا۔ اس چٹیل میدان میں اس مقام پر پانی کی بہتات ہے۔ اسی لیے شرق الاردن جاتے وقت قافلے یہاں ٹھہرتے تھے۔ اسلامی فتوحات کے وقت اس کی تجارتی اہمیت جاتی رہی اور معان نے اس کی جگہ لے لی حتیٰ کہ وہ خوب ترقی کر گیا۔[ئہ]

حضرت حسن بن علیؓ نے خلافت سے دست برداری کا اعلان اسی مقام پر (اذرح میں) کیا تھا۔ جس زمانے میں سوریا پر صلیبی حملے ہوئے یہ برباد ہو گیا، کیونکہ عیسائی مؤرخین اس کا نام نہیں لیتے حالانکہ وادی موسٰی وغیرہ کا ذکر کرتے

ہیں۔ سوائے تاریخ طبری کے تمام عربی مورخین لکھتے ہیں کہ دومۃ الجندل اس کانفرنس کا مرکز تھا۔ مگر ان مورخین نے بلا پرکھے روایات کو لے لیا، اس لیے غلطی کھا گئے۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کانفرنس اذرح ہی میں منعقد ہوئی تھی۔ جیسا کہ شعراء کا کلام اس پر دلالت کرتا ہے۔ ذوالرمہ بلال بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ الاشعری کی تعریف میں کہتا ہے۔

ابوك تلافى الدين والدنيا بعدما
تساوروا وبيت الدين منقطع الكسر
فشد اصار الدين ايام اذرح
وردّ حروبا قد لقحن الى عقر[1]

تیرے باپ نے دین و دنیا کو بچا لیا جبکہ لوگ آپس میں بددل ہو گئے تھے اور دین کی عمارت منہدم ہو گئی تھی۔ اس نے اذرح کو مضبوط کیا اور برباد کن لڑائیاں ختم کر دیں۔

کعب بن جعیل، عمرو بن عاص کی تعریف میں کہتا ہے، اس سے بھی اسی امر کی تائید ہوتی ہے[2]

كأن ابا موسى عشية اذرح
يطيف بلقمان الحكيم يواربه
ولما تلاقوا في تراث محمد
نمت بابن هند في قريش مضاربه

گویا ابو موسیٰ اذرح کی شام میں لقمانِ حکیم کا ساتھی تھا۔
جب وہ وراثتِ محمدیہ پر متفق ہو گئے تو ابنِ ہند کی تلواریں قریش میں چمکنے لگیں۔

اسود بن ہشیم اسی موقع کے بارے میں کہتا ہے[3]

لما تداركت الوفود باذرح
وفى اشعرى لا يحل له غدر

جب اذرح میں وفود جمع ہو گئے تو اشعری نے وفا کی، غداری نہیں کی ابن

ادّیٰ امانتہ ووفیٰ نذرہٗ   نے امانت پوری پوری ادا کر دی۔ مگر
عنہ واصبح غادر عمروٌ   عمرو بن العاص غدّاری کر گیئے۔

دومتہ الجندل میں دراصل یہ کانفرنس اس لیے نہ ہو سکی کہ حضرت علی یہ چاہتے تھے کہ اس کی تاریخیں پیچھے ہٹ جائیں تاکہ وہ خوارج کو اپنے ساتھ ملا لیں۔

حضرت علیؓ نے اپنے مندوب کو کانفرنس میں جانے سے روک رکھا اسی لیے وہ لوگ وقتِ معیّن پر نہ پہنچ سکے[۹] مگر آپ ہی کے دوستوں نے انھیں کانفرنس میں جانے پر مجبور کیا۔ شامی تو میعاد کے مطابق چلے آئے تھے۔ البتہ اس کے بعد دمشق اور کوفہ والوں نے یہ طے کیا کہ اذرح میں یہ کانفرنس ہونی چاہیئے کیونکہ وہاں پانی وغیرہ کی بہتات تھی اور دومتہ الجندل میں اس قدر فراخی نہ تھی۔

حضرت امیر معاویہ کو یہ توقع تھی کہ معتزلہ بھی کانفرنس میں شریک ہونگے تاکہ ہم دونوں کا انجام کار دیکھیں[۱۰]۔

عجیب بات یہ ہے کہ دونوں گروہ اپنے مندوبوں پر اعتماد نہیں رکھتے تھے۔ کیونکہ عمرو بن العاص اچھّی طرح جانتے تھے کہ خطرناک سیاست میں گوشت کھال سے نوچنا چاہیئے۔ بڑے فصیح اللسان بھی تھے۔ چونکہ حضرت معاویہ ان کی چالاکیوں سے واقف تھے۔ لہذا آپ نے اپنے بھائی عتبہ کو ان کا مشیر بنا دیا تھا۔

رہے ابو موسیٰ[۱۱] سو جس دور میں بغاوتِ مدینہ اٹھی۔ تو وہ حاکمِ کوفہ تھے۔ مگر جب خانہ جنگی شروع ہو گئی تو وہ فتنہ سے علیحدہ ہو گئے۔ آپ اصحاب رسول سے تھے، بڑے شریف و نبیل انسان تھے۔ مگر وہ عمرو بن العاص کی برابر سیاست سے

واقف نہیں تھے، اگرچہ آپ اچھے خطیب بھی تھے۔

ان دونوں کی شخصیت جیسی بھی ہو بہر حال اس کا اظہار ان کی آراء و مباحث سے ہوتا ہے جو ان دونوں کے درمیان ہوئیں۔

جب دونوں حکم اپنے متفقہ فیصلے پر غور کرنے لگے تو عمرو نے یہ چاہا کہ ابو موسیٰ حضرت معاویہ کو خلیفہ تسلیم کر لیں تو آپ نے انکار کر دیا۔ ابو موسیٰ نے عمرو بن العاص کو حضرت عبداللہ بن عمر الخطاب پر راضی کرنا چاہا تو عمرو نہ مانے۔[۱۲] اسی لئے ان دونوں نے معاملہ مسلمانوں کے شوریٰ پر چھوڑ دیا کہ وہ جسے چاہیں پسند کر لیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ عام طور پر مؤرخین عرب[۱۳] یہ لکھتے ہیں۔ کہ عمرو بن العاص نے ابو موسیٰ اشعری کو دھوکا دیا کہ علی کو تو برخاست کر دیا اور معاویہ کو باقی رکھا حالانکہ حضرت ابو موسیٰ نے دونوں کو معزول کر دیا تھا۔[۱۴] آپ کا کیا خیال ہے، کیا کوئی شخص اس طرح تخت خلافت پر بیٹھ سکتا ہے جبکہ اس کا ایک مندوب دوسرے خلیفہ کے مندوب کو اس طرح علانیہ دھوکا دے؟

عمرو بن العاص کے اس حیلہ کو عقل تسلیم نہیں کرتی کیونکہ اگر انھوں نے ایسا کیا بھی ہوتا تو رائے عامہ ان کے خلاف ہو جاتی اور لوگ حضرت علی ہی کی طرفداری کرتے حالانکہ معتزلہ بھی اس کانفرنس میں شریک تھے اور چار سو عراقی مندوب بھی شریک تھے۔[۱۵]

پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حریث بن راشد نے کیوں شورہ برپا کیا تھا۔[۱۶] یہ وہ شخص ہے جو جنگِ صفین و نہروان میں حضرت علی کا شریک رہا۔ آپ کے مخلصین سے تھا اور خوارج کے سیلاب میں بھی نہیں بہا۔ کیا اگر وہ یہ جانتا کہ اس کا دوست

ابوموسیٰ اشعری دھوکا کھا گیا ہے اور اسے عمرو نے دھوکا دیا ہے تو کیا وہ حضرت علی کے خلاف احتجاج کرتا۔ دراصل حریث بن راشد کی سرگرانی عمرو بن العاص کے خیالی دھوکے کی بنا پر نہیں تھی بلکہ اس لیے تھی کہ حکمین کے فیصلے کو نافذ کرائے اور شوریٰ کی دعوت دے اور اس لیے تھی کہ وہ دیکھ رہا تھا کہ حضرت علی کمزور پڑ گئے ہیں کہ انھیں خود ان کے حکم نے خلافت سے نکال دیا، یہ وہ رائے تھی جسے وہ کوفہ سے لے کر نکلا تھا۔

جب ہم مسائل کو تنقید کی چھلنی میں چھانتے ہیں اور کانفرنس اذرح کے بعد والے معاملات کا تقابل کرتے ہیں تو ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ عمرو بن العاص کا مشہور حیلہ کسی مضبوط تاریخی اساس پر مبنی نہیں ہے کیونکہ عمرو بن العاص کو معاویہ کے خلیفہ بنائے جانے کی کیسے توقع ہو سکتی ہے جبکہ وہ ابوموسیٰ اشعری کے ساتھ یہ طے کر چکے تھے کہ معاویہ کو ہم نے برخاست کر دیا ہے۔[۱۸]

اس حیلہ کے بطلان کے خلاف ہمارے پاس ایک اور بھی دلیل ہے اور وہ یہ کہ حضرت علی نے جو اعتراضات اذرح کانفرنس میں کیے اور جو اتہامات حکمین پر لگائے ان میں یہ اعتراض نہیں ہے۔ انھوں نے تو حکمین پر یہ اعتراض کیا کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق نہیں چلے۔ لہٰذا مجھ پر ان کا حکم ماننا فرض نہیں۔[۱۹]

دونوں گروہوں میں صفین کے مقام پر اس لیے جنگ ہوئی تھی کہ حضرت علی قاتلینِ عثمان پر راضی نہ تھے۔ لہٰذا اہلِ شام اور عثمانیہ نے آپ کو خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی لیے تو اذرح کانفرنس منعقد کی گئی تھی۔

عراقیوں کا اس کانفرنس میں شریک ہونا صرف بطور مدارات علی کے تھا مگر

اہلِ شام اپنے دماغ میں یہ نظریہ لے کر آئے تھے کہ علی خلافت کے اہل نہیں اور معاویہ خلافت کے مستحق ہیں۔ گو ابھی تک انھوں نے علانیہ طور پر خلافت کا دعویٰ نہیں کیا تھا مگر معاویہ کی انتہائی کوشش تھی کہ کسی طرح حضرت علی کا نام قاتلینِ عثمان میں آجائے اور وہ اس طرح خلافت کے مستحق نہ رہیں۔

سب سے بڑی غلطی جو ابوموسیٰ اشعری سے ہوئی یہ تھی کہ انھوں نے حضرت علی امیر المومنین اور معاویہ حاکمِ شام کے درمیان کچھ بھی فرق ملحوظ نہ رکھا جیسا کہ صفین کی دستاویز سے یہ امر آشکارا ہوتا ہے[۲۰]، حالانکہ حضرت علی بن ابی طالب کو مصر، یمن، حجاز اور خراسان خلیفہ تسلیم کرتا تھا، صرف شامی ہی تو رہ گئے تھے[۲۱]۔ علاوہ بریں یہ بات ہے کہ امیر معاویہ کے گرد جو لوگ جمع ہوئے وہ صرف بحیثیت قصاص خواہانِ عثمان کے جمع ہوئے تھے، مدعیِ خلافت کی حیثیت سے ان کے پاس جمع نہیں ہوئے تھے۔

افسوس ہے[۲۲] کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے اس اہم باریک تفصیل کو نہ سمجھا اور علی و معاویہ دونوں کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کیا جیسے وہ دونوں دعویدارِ خلافت ہوں۔ اس طرح انھوں نے حضرت علی کے مرتبے کو گرا دیا اور معاویہ کے مرتبے کو بلند کر دیا اور ان کے پوشیدہ مقاصد کو تقویت دے دی اور لوگوں کی نظریں ان کی طرف پھیر دیں، گو انھیں خود اس امر کا شعور نہ تھا کہ انھوں نے یہ کیا کیا۔

اگر ہم ہر دو فیصل کی بات چیت پر غور کریں۔ تو دیکھیں گے کہ ابوموسیٰ اشعری حضرت علی کو مستحقِ خلافت ہی نہیں سمجھتے تھے، کیونکہ انھوں نے عمرو کو اجازت دے

دی تھی کہ وہ معاویہ کے حقوق دربارۂ نیابتِ عثمان جتائیں اور بتلائیں[23] حالانکہ یہ موضوعِ مناظرہ ہی نہیں تھا۔

عمرو بن العاص جو بڑے ہی چالاک تھے، انھوں نے موضوعِ مناظرہ کو بہت پھیلا دیا اور خلافت کے لئے ایسے ایسے لوگوں کے نام پیش کرنے لگے کہ ابوموسیٰ تنگ آگئے اور بالآخر یہ طے پاگیا کہ دونوں زعیموں کو معزول کر دیا جائے اور معاملہ شوریٰ کے سپرد ہو۔ اذرح کانفرنس کے بارے میں ہم اتنی بات تو صحیح مانتے ہیں۔ رہی باقی روایات، تو ان میں تعصب اور بناوٹ کی جھلک پائی جاتی ہے۔

حضرت علی نے حکمین کا فیصلہ نہیں مانا کہ خلافت سے دست بردار ہو جائیں اور شوریٰ کی طرف رجوع کریں۔ لہٰذا اگر علی اس کے باوجود خلیفہ رہے تو معاویہ بھی شام کے حاکم رہے اور ایک ایسی شخصیت کے مالک بنے جس کے اندر عالمِ اسلامی نے ایک ایسی عظیم الشان ذات پائی جو امن کے قیام پر قادر تھی۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ اذرح کانفرنس کی کاروائی نے بڑے بڑے نتائج پیدا کیے جو جنگِ صفین اور دوسرے معرکوں سے پیدا نہیں ہو سکتے تھے۔

حضرت معاویہ کی کامیابی کا بڑا راز یہ ہے کہ شامی لوگ آپ کے انتہائی فرماں بردار تھے مگر عراقیوں میں اختلاف برپا ہو گیا۔ حتیٰ کہ ایک دن حضرت عباس نے ان سے کہا:-

"کیا تم دیکھتے نہیں کہ معاویہ کا قاصد آتا ہے تو پتا نہیں چلتا کہ کیا پیغام لایا ہے اور واپس جاتا ہے تو پتا نہیں لگتا کہ کیا جواب لے گیا۔ شامیوں کو کچھ بھی خبر نہیں ہوتی، نہ وہ شور مچاتے ہیں نہ باتیں بگھارتے ہیں اور تم لوگ میرے پاس

طرح طرح کے خیالی گھوڑے دوڑاتے رہتے ہو۔[۲۴]

عرب[۲۵] کے بعض اصحاب الرائے نے کہا ہے کہ اگر حضرت علی صرف ان لوگوں کو لے کر نکل کھڑے ہوتے جو آپ کے ساتھ دینے پر رضامند تھے اور لڑتے حتیٰ کہ فتح پا جاتے یا ہلاک ہو جاتے تو یہ پختہ کاری کے زیادہ قرین تھا۔[۲۶]

---

[۱] معجم البلدان لیاقوت الحموی جلد اوّل صفحہ ۱۶۲ والطبری جلد اوّل صفحہ ۳۳۴۱

[۲] معان شرق الاردن کا آخری ریلوے اسٹیشن ہے۔ یہاں پانی کی افراط ہے۔ چھوٹا سا خوب صورت شہر ہے (صارم)

[۳] لامنس صفحہ ۱۲۸

[۴] ذوالرمہ عرب کے مشہور و مستند شعراء سے ہے (صارم)

[۵] یاقوت الحموی معجم البلدان جلد اوّل صفحہ ۱۹۲

[۶] معجم البلدان جلد اوّل صفحہ ۱۶۲

[۷] معجم البلدان جلد اوّل صفحہ ۱۶۲

[۸] کیونکہ عمرو بن العاص نے معاویہ کو خلیفہ باقی رکھا تھا حالانکہ ابوموسیٰ اشعری سے وعدہ کیا تھا کہ میں معاویہ کو برخاست کرنے کا اعلان کرونگا۔ (صارم)

[۹] الطبری جلد اوّل صفحہ ۳۳۴۲

[۱۰] طبری جلد اوّل صفحہ ۳۳۴۱، الدینوری صفحہ ۲۱۱

[۱۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، تاریخِ خضری مطبوعہ مصر۔

۱۲؎ الدینوری صفحہ ۲۱۲ و ۲۱۳، الفخری صفحہ ۸۴، الطبری صفحہ ۳۳۵۸

۱۳؎ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، تاریخ خضری مطبوعہ مصر۔ (صارم)

۱۴؎ ملاحظہ ہو کتاب الکامل للمبرد باب من اخبار الخوارج (صارم)

۱۵؎ لامنس صفحہ ۱۳۳

۱۶؎ الطبری جلد اوّل صفحہ ۳۴۱۸

۱۷؎ الطبری جلد اوّل صفحہ ۳۴۳۴ نیز دیکھیے ۳۴۲۷، ۳۴۱۹

۱۸؎ الطبری جلد اوّل صفحہ ۳۳۵۸ - الفخری صفحہ ۸۴

۱۹؎ ایضاً " " " " " "

۲۰؎ الطبری جلد اوّل صفحہ ۳۳۵۹، ابوموسیٰ نے کہا "میں نے علی اور معاویہ دونوں کو برخاست کر دیا تو تم لوگ خود کسی کو خلیفہ چن لو جسے بھی اس کا اہل سمجھتے ہو"

۲۱؎ روضۃ المناظر جلد اوّل صفحہ ۲۱۹

۲۲؎ مگر سوال یہ ہے کہ ابوموسیٰ اگر ایسا نہ کرتے تو اور کیا کرتے؟ (صارم)

۲۳؎ الطبری جلد اوّل صفحہ ۳۳۵۸

۲۴؎ " " صفحہ ۳۳۵۴

۲۵؎ " " " " ۳۳۴۶

۲۶؎ دیکھیے عبقریتِ علی، مصنفہ عباس محمود عقاد۔ (صارم)

"معاویہ بحیثیت ایک بادشاہ کے"

اسلام کہتا ہے کہ اللہ کے بعد طاقت و قوت اسلامی جماعت کے ہاتھوں میں ہے اور کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ جماعت کے خلاف بغاوت کرنا ہے اور خلیفۂ وقت امت کا نمائندہ ہوتا ہے اور ان کی شخصیت ذمہ دار ہوتی ہے جس کا فرض ہے کہ کتاب اللہ، سنت، اجماع اور قیاس کے مطابق عمل کرے۔

معاویہ بن ابی سفیان عام الجماعت میں ایلیاء[1] میں (بیت المقدس سنہ ۴۱ھ و ۶۶۱ء) خلیفۃ المسلمین منتخب ہوئے، اسی لیے اس سال کو عام الجماعت (جماعت کا سال) کہتے ہیں کیونکہ امت نے تفرقہ کے بعد ایک خلیفہ پر اتفاق کیا تھا۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ حضرت حسن نے امیر معاویہ کے ہاتھ پر حضرت علی کی وفات کے بعد بیعت کرلی تھی۔ حضرت معاویہ نے حضرت حسن کو ایک قرطاس ابیض بھیجا تھا جس کے آخر پر مہر لگی تھی اور لکھا تھا کہ جو بھی شرائط منظور ہوں اس کاغذ پر لکھ دیں مجھے منظور ہوں گی۔[2]

جب معاملہ معاویہ کے ہاتھ میں آگیا تو آپ نے بڑے بڑے لوگوں، اشراف و سپہ سالاران و قائدین امت کو بلایا اور مہاجرین و انصار سے ایک مجلس حکومت کی تشکیل دی۔ سوریا اور عراق کے لشکریوں کے لیے مخصوص مجالس تھیں جہاں وہ

جمع ہو کر اپنی مجلسیں منعقد کرتے تھے۔ عموماً یہ مجلسیں جامع مسجد میں ہوا کرتیں۔ یہ مجالس دار الامارت میں نہ ہوتی تھیں۔ اس میں بھی شک نہیں کہ لامرکزیت اور شخصی حکومت کی شان تمام عربی صوبوں میں پائی جاتی تھی کیونکہ جب ہم معاویہ کے گورنروں۔ جیسے زیاد بن امیہ اور عمرو بن العاص کی سیرت پڑھتے ہیں تو یہ بات ہم پر روشن ہو جاتی ہے۔

شہروں میں صرف ان کی اپنی مجالس ہی نہیں تھیں بلکہ صوبجات سے جو وفود آتے تھے ان کے اجلاس بھی ہوتے تھے، ان وفود میں عموماً زعمائے قبائل، نواب اور حکام بلاد ہوتے تھے جو اپنی تجاویز اصلاحات پیش کرتے یا وہ لوگ ہوتے تھے جو بڑی بڑی رقموں پر اپنے آپ کو بیچ چکے تھے تاکہ اخلاص کے ساتھ حکومت کی مدد کریں۔ بسا اوقات امیر معاویہ ایک ایک لاکھ درہم دے دیتے تھے تاکہ امن وسلامتی اور طمانیت کا دور دورہ رہے۔

ان امور کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ شخصی حکومت کا کتنا زور تھا، اموی مرکز کس قدر مضبوط تھا اور جو گروہ حکومت کے خلاف تھے ان کا کیا حال تھا۔

مثال کے طور پر ان وفود کے ایک جلسے کا حال ہم درج ذیل کرتے ہیں۔

حضرت معاویہ کے آخر زمانہ خلافت میں احنف بن قیس کئی ایک سرداران عراق کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے۔ تو حضرت معاویہ کھڑے ہو گئے اور ایک تقریر کی جیسے کہ بادشاہ لوگ کرتے ہیں جس میں بتایا کہ ان کے فرزند یزید میں کیا کیا کمالات، اخلاقِ فاضلہ، حسنِ ہدایت اور مراعاتِ رعیت ہیں، کیونکہ آپ کی یہ خواہش تھی کہ ولیعہد یزید ہو۔ پھر ضحاک مسندِ خطابت پر آیا۔ ہمارے دور کے اعتبار سے اسے وزیر اعظم

کہنا چاہیئے۔ اس نے درخواست کی کہ یزید کو ولیعہد مقرر کیا جائے۔ اس نے لوگوں کو بیعتِ یزید پر اکسایا اور امیر معاویہ سے کہا۔

"آپ نے جو کچھ ارادہ کیا ہے اُسے کر گزریئے۔" پھر حکومت کے دیگر نائبوں نے اس کی تصدیق و تائید کی۔ یہ لوگ شامی تھے اور بڑے بڑے مراتب پر فائز تھے[۱]۔ رہے وہ زعماء جو حزبِ مخالف سے تعلق رکھتے تھے، جن کا لیڈر احنف[۲] تھا تو انھوں نے اپنا ضمیر چند سونے کے سکّوں کے عوض بیچ ڈالا۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ امیر معاویہ کبھی کسی کی تجویز کو اس وقت تک عملی جامہ نہیں پہناتے تھے جب تک کہ لوگوں سے مشورہ نہ لے لیتے، اقارب کو راضی نہ کر لیتے اور دور والوں کو قریب نہ کر لیتے حتیٰ کہ انھیں اپنی کامیابی کا یقین ہو جاتا۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی یزید کی بیعت کے بارے میں کیا۔ پھر تمام شہروں کو چٹھیاں بھجوا دیں۔

امیر معاویہ نے ایک مخصوص گروہ جاسوسوں کا متعیّن کر رکھا تھا جو آپ کی پولیس کے آدمی تھے۔ یہ لوگ آپ کے گورنروں کے حالات کی اطلاع دیتے۔ حضرت عمر نے بھی ایسا ہی کر رکھا تھا تاکہ مصائب کے لیے پہلے سے تیار رہیں اور مملکت کو کمزوری سے بچالیں۔

بسا اوقات آپ اپنے خاندان والوں کو بھی حالات سے آگاہ کر دیتے تھے تاکہ کوئی نافرمانی پر آمادہ نہ ہو۔ چنانچہ آپ کے خاندان والے دوسروں کی بہ نسبت مصائب کے وقت بڑے خلوص سے پیش آتے تھے۔ آپ نے بہت سے طاقتور لوگوں کو اپنی ملازمت میں رکھ چھوڑا تھا، خواہ وہ یمنی، مصری یا قریشی ہوں تاکہ وہ

لوگ آپ کے اردگرد جمع رہیں اور آپ کی امداد کریں۔

حضرت عمرؓ اور دوسرے خلفاء کا طریقۂ کار یہ تھا کہ وہ حکومتِ دینیہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات کو مطاع و منقاد ٹھیراتے تھے، مثلاً وہ خزانہ کو کہتے تھے کہ یہ اللہ کا ہے، لشکر کو اللہ کا لشکر، مالِ غنیمت کو غنیمتِ الٰہی اور اپنے دشمنوں کو دشمنانِ خدا کہتے تھے۔ مگر جب حضرتِ عمرؓ کے زمانہ میں فتوحات کی کثرت ہو گئی تو آپ نے عقیل بن ابی طالب، مخرمہ بن نوفل، جبیر بن مطعم کو جو کہ دبیرانِ قریش سے تھے حکم دیا کہ وہ عساکرِ اسلامیہ کے دفتر کو ترتیبِ انساب کے لحاظ سے لکھیں، شروع ان لوگوں سے کریں جو رسول اللہؐ سے قریب ہوں۔ علیٰ ہذا القیاس، اس طرح دفترِ فوج کا افتتاح ہوا۔ رہا دیوانِ عمال و خراج وغیرہ سو اس کی آپ نے پوری پوری حفاظت کی۔ ہر لشکری کا نام اور وظیفہ لکھوایا۔ ایک عرصہ تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا کہ دفترِ شام رومی زبان میں کام کرتا رہا حتیٰ کہ صدرِ دولتِ بنو امیہ میں دونوں دفاتر عربی زبان میں منتقل ہو گئے۔

اہلِ عرب میں یہ اولیت حضرت معاویہؓ ہی کو حاصل ہے کہ آپ نے دیوان خاتم (مہر دفتر) قائم کیا جس میں دبیرانِ حکومت آپ کی چٹھیوں پر مہر لگاتے اور روانہ کرتے تھے۔ فخری لکھتا ہے کہ اس دفتر کے قائم کرنے کا سبب یہ ہوا کہ امیر معاویہ نے ایک دفعہ ایک شخص کو زیاد بن ابیہ کے نام چٹھی لکھ کر دی کہ اسے ایک لاکھ درہم دے دیئے جائیں۔ وہ آدمی چٹھی لے گیا اسے پڑھا اور ایک لاکھ کے دو لاکھ بنا دیئے۔ اس زمانے میں چٹھیاں غیر مہر شدہ ہوا کرتی تھیں۔ جب زیاد گورنر عراق نے حساب بھیجا تو حضرت معاویہ نے اسے تسلیم نہیں کیا اور کہا میں نے تو اسے ایک لاکھ درہم دینے کا حکم دیا تھا لہٰذا آپ نے اس واقعہ کے بعد خطوط پر مہریں لگوانا شروع کر

دیں کہ کوئی شخص انھیں کھول کر پڑھ نہیں سکتا تھا اور نہ اسے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کیا لکھا ہے نہ کوئی ان میں تغیر و تبدل کر سکتا تھا۔

اس سلسلے میں جو بات قابلِ ذکر ہے وہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ نے حضرت عمر کے نظریے کی توسیع کر دی تھی اور خلافت کو ایک وسیع مملکت بنا دیا تھا ابنِ خلدون لکھتا ہے:۔

"مملکت کے لیے عصبیت ضروری ہے یہ کوئی اختیاری چیز نہیں ہے یہ تو مملکت کے وجود و بقا کے لیے از حد ضروری ہے"

شارع نے ملوکیت کی مذمت کی ہے لیکن غلبۂ حق اور مراعاتِ مصالح سے نہیں روکا، ملوکیت سے صرف اس لیے روکا ہے کہ اس سلسلے میں انسان شہوات اور گمراہیوں کا اتباع کرنے لگتا ہے۔ اس امر کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ جب حضرت عمر ابن الخطاب شام کی طرف آئے تو معاویہ شاہانہ شان و شوکت اور فوج و آلات کے ساتھ استقبال کے لیے آئے۔ حضرت عمر نے اسے اچھا نہ سمجھا اور فرمایا:۔

"اے معاویہ! کیا کسرویت پر اتر آئے" آپ نے عرض کی حضور یہ بات تو نہیں ہے مگر چونکہ ہم ایک ایسی سرحد پر ہیں جہاں دشمن ہم سے قریب ہے، اس کے جاسوس لگے رہتے ہیں لہذا ہمیں اس شان و شوکت اور رعب کی ضرورت ہے۔ آپ خاموش ہو گئے اور چونکہ معاویہ نے مقاصدِ دین کو پیشِ نظر رکھ کر جواب دیا تھا، لہذا آپ کے خیال کی تغلیط نہیں کی۔

اس میں شک نہیں کہ صحابۂ کرام تمام لوگوں کی نسبت دنیا اور اس کے

عیش و تنعم سے دور تھے اور وہ عیش کے بھوکے نہ تھے کیونکہ وہ ہمیشہ سے بے آب و گیاہ سرزمین میں سخت کوشی کے عادی رہے۔ ادھر یہ بات بھی تھی کہ وہ تازہ تازہ اسلام لائے تھے اور بداوتِ عربیہ پر قائم تھے۔ بیزنطیوں اور اہل فارس وغیرہ ترقی یافتہ قوموں سے بھی ان کا تعلق نہ تھا لہٰذا جب بداوت حد کو پہنچ گئی اور شاہانہ طبیعت پیدا ہو گئی جس کی اقتضاء تعصّب ہے اور عربوں کو غلبہ حاصل ہو گیا تو اس ملوکیت کا یہ اثر ہوا کہ وہ عیش و زرپرست ہو گئے۔ پھر طبیعتِ ملوکیہ کا یہ اقتضاء ہوا کہ انفرادیت حاصل کی جائے۔ لہٰذا معاویہ اپنی ذات اور اپنی قوم سے ان جذبات کو دور نہ کر سکے کیونکہ یہ ایک امرِ طبعی تھا۔ انہوں نے یزید کو ولی عہد بنا دیا کہ امّت میں افتراق نہ پیدا ہو جائے کیونکہ اگر وہ کسی اور کو ولی عہد بناتے تو بنو امیہ میں پھوٹ پڑ جانے کا خطرہ تھا۔[۱۲] خلافت و مملکت میں یہ جو تغیر و تبدل ہوا، دراصل یہ بھی دین پر مبنی تھا مگر بعد ازاں عصبیّت اور تلوار نے جگہ لے لی۔[۱۳] امیر معاویہ، ان کے خلفاء اور ابتدائے دولتِ عباسیہ میں ایسا ہی رہا مگر پھر خلافت کا مفہوم ہی اڑ گیا اور نام ہی نام باقی رہ گیا اور خالص ملوکیت آ گئی۔ عصبیّت غالب آئی اور قہر و سیادت کا استعمال ہونے لگا۔ اب مسلمان بادشاہ کی اطاعت صرف تبرکاً کرتے تھے، سب کچھ بادشاہ کا تھا اور بادشاہ رعایا کا نہ تھا۔[۱۴]

خلاصہ یہ کہ اولاً خلافت بدون ملوکیت کے تھی۔ پھر دونوں میں التباس ہو گیا اور معانی میں اشتباہ ہو گیا پھر ملوکیت، خلافت سے بالکل جدا ہو گئی کیونکہ عصبیتِ ملوکیہ، عصبیّتِ خلافت سے بالکل مختلف تھی جیسا کہ ابنِ خلدون نے لکھا ہے:-

"مَلِک اور مُلک یہ دونوں کلمات پاک اور بے عیب تھے کہ انھیں کوئی بھی برا یا حقیر نہیں سمجھتا تھا، مگر جب بنو امیہ کے دشمنوں نے خلفائے دمشق کو ان الفاظ سے یاد کیا تو یہ الفاظ حقیر ہو گئے[۱۵]، چنانچہ رسول اللہ سے روایت ہے کہ آپ نے حضرت معاویہ سے فرمایا تھا "جب تم بادشاہ ہو تو احسان کرنا"[۱۶]"

ہاں بعد ازاں یہ کلمات حقیر سمجھے جانے لگے۔ جب لوگ یہ کہنے لگے کہ امتِ محمدیہ کا سوائے خدا کے کوئی حاکم نہیں، رہے خلفائے رسول سو وہ نماز و جہاد وغیرہ کی حد تک امیر تھے۔ وہ خلفاء جو رسول اللہ کے بعد آپ کے نائب بنے خلیفہ ہی کہلاتے تھے اور روم، غسان، کندہ اور فارس کے بادشاہ، بادشاہ کہلاتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے ابتدا ہی سے مسلمانوں کو ملوکیت سے دور رکھنا چاہا ہے چنانچہ اپنے مخصوص معتقدین کے لیے اس نے روحانی الفاظ تجویز کیے، مثلاً کچھ لوگ مہاجر کہلائے، کچھ انصار، کچھ بدری اور کچھ اُحدی۔

جب امیر معاویہ خلافت پر بیٹھے تو وہ بڑے تجربہ کار اور منتظم تھے کہ حکومت کے نظام کو خوب چلا سکتے تھے لہٰذا انھوں نے ابتدائے اسلام میں صحابۂ کرام کے ساتھ جو صوفیانہ زندگی گزاری تھی اُسے یکسر ترک کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی سلطنت وسیع ہو گئی اور دور دور تک اسلامی حکومت جا پہنچی، کیونکہ عرب اہلِ فارس و روم سے ٹکرا گئے تھے۔

ملوکیت کی سب سے پہلی نشانی یہ تھی کہ امیر معاویہ نے اپنے لیے جامع مسجد میں نماز کے لیے ایک علیحدہ کمرہ بنوایا تھا[۱۷] بعض مورخین نے لکھا ہے۔

کہ سب سے پہلے حجرہ مروان بن الحکم نے بنوایا جبکہ ایک یمنی نے اس کو خنجر مارا[۱۸] تھا۔ مگر بات صحیح یہی ہے کہ دراصل سب سے پہلے مقصورہ آپ نے بنوایا کہ نماز میں بھی خلیفہ دوسروں سے ممتاز رہے پھر اس کا رواج ہو گیا۔ یہ باتیں حکومت کی وسعت و عظمت اور عیش پرستی پر دال ہیں۔[۱۹]

حضرت امیر معاویہ نے اس حجرے کا استعمال غور و فکر اور مجلس شوریٰ کے طور پر بھی کیا تھا۔ بعض مورخین کا یہ قول کہ آپ نے کمرہ اس لیے بنوایا تھا کہ آپ پر کسی خارجی[۲۰] نے حملہ کیا تھا تو ڈر کی وجہ سے آپ نے ایسا کیا۔ مگر یہ بات کچھ زیادہ قرین صحت نہیں ہے کیونکہ مقصورہ کے بنانے پر دراصل اس امر نے انھیں اکسایا تھا کہ آپ منبر پر خطبہ پڑھنے آتے تو آپ کے ساتھ نگہبانوں کی ایک جماعت ہوتی تھی، پھر جب وہ دور آیا کہ جمعہ کے خطبات صرف دینی امور سے بحث کرتے تھے، سیاسی مسائل سے انھیں سروکار نہ تھا اور خلیفہ خطبہ نہ دیتے تھے تو پھر یہ مقصورے ایک خصوصی حیثیت اختیار کر گئے جہاں امام بیٹھتا تھا۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ امیر معاویہ نے بیٹھ کر خطبہ دیا کیونکہ آپ کا شکم بہت بڑا تھا اور بہت بھاری بھر کم تھے[۲۱]۔ اور اس لیے بھی کہ آپ میں شعورِ ملوکیت بیدار ہو گیا تھا[۲۲]۔ لہٰذا آپ یہ گوارہ نہیں کرتے تھے کہ رعایا کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ دیں۔[۲۳]

لیکن دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں کہ باسٹھویں[۶۲] سورت کی گیارھویں آیت کی پھر کیا تفسیر کی جائے گی۔

وتركوك قائما — آپ کو کھڑا چھوڑ گئے۔

اگر ہم اس خیال کو قبول کرلیں اور یہ سمجھیں کہ امیر معاویہ نے یہ بدعت قائم کی تو لائنس ہمیں جواب دیتا ہے کہ حضرت علی جو کہ سنت رسول کے بہت زیادہ پیرو تھے۔ بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے، اسی طرح حضرت ابن زبیر خلیفہ مکہ نے کیا اور عمر ثانی یعنی عمر بن عبدالعزیز اموی نے بھی ایسا ہی کیا حالانکہ آپ کو کوئی چیز مانع نہ تھی کہ آپ سنت رسول[۲] کی طرف رجوع فرماتے جبکہ یہ بدعت امویہ کی قائم کردہ تھی۔ مگر جیسا کہ آپ کا تقویٰ وطہارت مشہور ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ بھی بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے۔

حضرت معاویہ نے سب سے پہلے تخت اور کرسی کا استعمال کیا[۲۵]۔ یہ چند کھڑی اور پڑی لکڑیاں تھیں جن پر بادشاہ بیٹھتا تھا اور دیگر اہل مجلس سے بلند ہوتی تھیں کہ اہل مجلس کے ساتھ برابری نہ معلوم ہو۔ یہ بات آپ نے ملوک عجم سے لی کیونکہ وہ لوگ ہونے کے تخت پر بیٹھتے تھے مسلمان بادشاہوں نے ان کا اتباع کیا اور یہ بات شان وجلال کے مظاہر میں شمار ہونے لگی۔

امیر معاویہ نے اپنی مملکت کی مضبوطی کے لیے صرف عقول ہی کو مرعوب کرنا نہیں چاہا بلکہ ڈاک کا نظام بھی بڑا مضبوط قائم کیا[۲۶]، اور دارالخلافہ دمشق وصوبجات کے درمیان مواصلات کی سہولتیں بہم پہنچا دیں۔ ڈاکیہ مختلف مقامات پر تیز رفتار گھوڑے تیار رکھتا تھا۔ جب کہیں سے کوئی فوری خبر لے کر قاصد آتا اور اس کا گھوڑا تھک جاتا تو وہ دوسرے گھوڑے پر سوار ہو جاتا، اسی طرح وہ دوسرے مقامات پر بھی کرتا حتیٰ کہ نہایت سرعت سے منزل مقصود پر پہنچتا۔

ایک منزل سے دوسری منزل تک بارہ میل کی مسافت ہوتی تھی۔ ایسا اس

لیے کیا جاتا تھا[۲۷] تاکہ خبریں جلد از جلد پہنچیں۔

ڈاک کا نظام جیسا کہ طبری لکھتا ہے اس طرح تھا۔ "کہ مثلاً حضرت معاویہ کا گورنرِ مدینہ جب یہ چاہتا کہ ڈاک بھیجے تو اپنے منادی کو حکم دیتا وہ اعلان کرتا کہ جس کسی کو امیر المومنین سے کچھ عرض کرنا ہے وہ لکھ کر دیدے[۲۸]۔"

طبری کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت لوگوں کی چٹھیوں کا خود انتظام کرتی تھی کہ خلیفہ تک ان کی عرضیاں پہنچا دے۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرت معاویہ نے ایسے دینار بنوائے تھے جن پر وہ تلوار حمائل کئے کھڑے تھے[۲۹]۔ اسی طرح درہم وغیرہ بھی ڈھلوائے تھے۔ اس سلسلے میں آپ نے قیصر و کسریٰ وغیرہ کا اتباع کیا تھا کہ سکوں پر تصاویر ہوتی تھیں۔ سونے اور چاندی کے جو سکے اہلِ عرب میں اسلام سے پہلے چلتے تھے۔ وہ دوسرے ممالک مثلاً روم وغیرہ سے آتے تھے۔

مقریزی لکھتا ہے[۳۰]:-

"سکہ بادشاہ کے لیے ایک ضروری چیز ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے خالص اور غیر خالص میں فرق ہو جاتا ہے۔ لوگ معاملات کرتے وقت سلطانی مہر ہونے کی وجہ سے دھوکے سے بچ جاتے ہیں کیونکہ یہ نقوش کھرے ہونے کے ضامن ہوتے ہیں، نقود کی ڈھلائی صرف دمشق ہی میں نہیں ہوتی تھی، جیسا کہ آج کل کی یورپین حکومتوں میں ہے کہ مرکز ہی سکہ سازی کرتا ہے۔ بلکہ بعض گورنروں کو سکہ سازی کا اختیار تھا جیسا کہ زیاد بن ابیہ نے ہر دس درہم کا وزن سات مثقال ٹھیرایا تھا۔

خلاصہ یہ کہ امیر معاویہ سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے نگہبان، پولیس، دربان اور پردوں کا اسلام میں رواج دیا اور عیسائیوں کو اپنا دبیر بنایا چنانچہ آپ کا منشی سرجون بن منصور رومی تھا۔[۳۱]

سب سے پہلے آپ ہی نے کوشک بنوایا اور ساتھ ساتھ نگہبان خنجر بدست لے کر چلے، عطیات سے زکوٰۃ وصول کی، خود تخت پر بیٹھے اور لوگوں کو نیچے بٹھایا، دفترِ مُہر قائم کیا، بلند اور مضبوط محل بنوائے اور بادشاہوں[۳۲] کے اموال و جائداد کو اپنے لیے مخصوص کیا اور یہ جائدادیں اپنے عزیزوں، یمنی، شامی، جزائری، عراقی اور ایرانی دوستوں کو بطور جاگیر دیں۔[۳۳] لباسِ فاخرہ اور ممتاز گھوڑوں پر سوار ہوئے، کھانے پینے اور لباس میں تنعم اختیار کیا اور خوشبوؤں کا استعمال کیا۔[۳۴] جب حضرت معاویہ عمامہ پہنتے اور سرمہ لگاتے تو سب سے زیادہ حسین معلوم ہوتے تھے۔

اب چونکہ ہم آپ کے ملازمین اور پولیس کے آدمیوں جیسے ابنِ سرجون اور بعض دوسرے درباریوں کے بیان تک پہنچ گئے ہیں لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زیاد بن ابیہ کی رائے ان لوگوں کے صفات و مناقب کے بارے میں درج کریں، کیونکہ وہ اس دور کا طاقتور، مختار حاکم اور لوگوں کو پرکھنے والا معلوم ہوتا ہے۔ زیاد کہتا ہے۔

"چار ملازمتوں پر صرف بوڑھا، پکی عمر والا ہی متعین ہونا چاہیئے۔ سرحد، گرما کی لڑائی، پولیس اور عدلیہ، مناسب ہے کہ نگہبان مسن، عفیف، مامون ہو کہ اس پر کوئی شخص طعن نہ کر سکے، چاہیئے کہ دبیر میں چار اوصاف ہوں

غود و خوض، حسنِ مدارا، کاموں کو مضبوطی سے کرنا اور آج کا کام کل پر نہ چھوڑنا اور اپنے آقا کا مخلص ہونا، دربان کے لیے ضروری ہے کہ وہ عاقل و فطین ہو اور دربانی کے عہد سے پہلے بادشاہوں کی خدمت میں رہا ہو۔"

زیاد کا شمار حکومت کے دانشمند منتظمین میں ہوتا ہے لہذا وہ صاف کہتا ہے کہ "یہ ضروری ہے کہ دبیرانِ خراج ایسے عجمی ہوں جو امورِ خراج سے واقفیت رکھتے ہوں۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ اہلِ عجم اپنے فاتحین پر اس معاملے میں یقیناً فوقیت رکھتے تھے، کیونکہ وہ اس فن سے عرصے سے آشنا تھے۔

بعد ازاں زیاد آگے بڑھتا ہے اور حاکم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"ضروری ہے کہ والی اپنے ماتحتوں کو ان کے اپنے نفوس سے زیادہ اچھا پہچانتا ہو۔"

بادشاہ کی توصیف میں وہ لکھتا ہے۔

"سلطان میں چار بنیادی خصائل ہونے ضروری ہیں، عدم حرص مال، محسن سے قرب اور بد سے شدت کا برتاؤ اور زبان کی سچائی۔ ان ہی جیسے لوگوں سے ملک کی ساکھ بنتی ہے اور امن قائم رہتا ہے کہ یہ لوگ ذرا سے شک پر پکڑ لیتے ہیں۔ شبہہ پر سزا دے دیتے ہیں اور تلوار سونت لیتے ہیں۔ بالخصوص زیاد ایسا ہی تھا، لہذا ملک بھر کے لوگ اس سے ڈر گئے اور لوگ اپنی جان و مال کے بارے میں مامون ہو گئے یہاں تک کہ اگر کسی شخص کے ہاتھ سے کوئی چیز

گر جاتی اور وہ بھول جاتا تو کوئی بھی اُسے نہ اٹھاتا حتیٰ کہ مالک ہی آکر اُسے اٹھاتا۔[۳۷]

حقیقت یہ ہے کہ معاویہ کی حکومت صرف اس لیے مستحکم ہوئی، جیسا کہ عمرو بن العاص فرماتے ہیں۔ "یہ ایک ایسا شخص ہے جو کھانے والی ڈاڑھ رکھتا ہے اور ہر معاملے میں لوگوں کو کھلاتا ہے۔"[۳۸]

آپ نے ارکانِ خلافت کو مضبوط کیا اور انھیں اپنے گھرانے کا ایک فرد بنا لیا۔ اس طرح آپ گروہ بندی سے محفوظ ہو گئے۔ آپ نے بعض سخت قسم کے لیڈروں کو جلاوطن بھی کیا جیسے حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو۔[۳۹]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، امیر معاویہ کی توصیفِ شاہانہ میں فرماتے ہیں۔

"میں نے کسی کو معاویہ سے زیادہ پادشاہت کے لیے موزوں نہیں پایا، وہ لوگوں کو بڑی توقعات دلاتے اور اس طرح اپنا بنا لیتے تھے۔"[۴۰]

ہمیں آپ کی قوت اور عمقِ نظر کا اندازہ اس وصیت سے ہوتا ہے جو آپ نے اپنے بیٹے یزید کو کی تھی۔ جس میں آپ نے بلادِ عربیہ کے باشندوں کی روح و عقل کی تصویر کشی کی ہے، فرماتے ہیں:۔

"اہلِ حجاز کی طرف دیکھو یہ تمہاری جڑ ہیں تو جو بھی وہاں سے آئے اس کا اکرام کرنا اور جو نہ آئے اس کا بھی خیال رکھنا۔ اہلِ عراق کو دیکھو یہ لوگ اگر یہ مطالبہ کریں کہ ہر روز ایک گورنر معزول ہوتا رہے تو ایسا ہی کرنا کیونکہ ایک گورنر کا برخاست ہو جانا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ تمہارے اوپر لاکھوں تلواریں چڑھ آئیں۔ اہلِ شام کی طرف دیکھو یہ تمہارے راز داں ہونے چاہئیں۔ اگر تمھیں دشمن کی طرف سے کوئی مصیبت آگھیرے تو ان سے مدد لینا۔ جب

کامیاب ہو جاؤ تو اہلِ شام کو ان کے بلاد کی طرف لوٹا دینا کیونکہ اگر وہ دوسرے شہروں میں قیام پذیر ہوئے تو وہاں کے اخلاق سے متاثر ہو جائیں گے۔[۱۲]
حضرت معاویہ نے اس قسم کی وصیت صرف اس لیئے کی تھی کہ یزید کی توجہات اہلِ شام کی اطاعت، اہلِ عراق کے اضطراب اور اہلِ حجاز کے حقوق کی طرف ملتفت کریں۔

۱؎ الدمیری حیوٰۃ الحیوان جلد اوّل صفحہ ۶۷ - ابنِ خمیس جلد دوم صفحہ ۳۲۵

۲؎ ابن عساکر جلد چہارم صفحہ ۲۲۳

۳؎ لامنس صفحہ ۵۹ و ۶۰

۴؎ الطبری صفحہ ۹۷ جلد دوم ، لامنس صفحہ ۶۱ ، الدینوری صفحہ ۲۳۶ - ان صفحات کے مطالعہ سے آپ پر روشن ہو جائے گا کہ وفود کس لیے معاویہ کی خدمت میں آتے تھے۔

۵؎ المسعودی جلد دوم صفحہ ۵۰ ، العقد الفرید جلد دوم صفحہ ۲۳۷ و ۲۳۸

۶؎ اخنف بن قیس عرب کا مشہور منجم اور بہت بردبار انسان تھا، حضرت علی کے دوستوں میں سے تھا۔ (صارم)

۷؎ مقدمۃ ابنِ خلدون صفحہ ۲۶۷ و ۲۶۸

۸؎ " " " " ۲۶۷

۹؎ الفخری صفحہ ۹۷ و ۹۸ ، مقدمۃ ابنِ خلدون صفحہ ۲۹۲ ، ابنِ اثیر جلد چہارم صفحہ ۴ ، ابنِ خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۹ ، الیعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۷۶ ۔

۱۰؎ مقدمہ ابنِ خلدون صفحہ ۲۲۱

۱۱؎ مقدمہ ابنِ خلدون صفحہ ۲۲۳ ، القلقشندی جلد چہارم صفحہ ۲۷۱

۱۲؎ مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۲۵

۱۳؎ " " " ، ۲۲۸

۱۴؎ قلقشندی لکھتا ہے ، "جب متقی باللہ خلیفہ بنا تو امرِ خلافت نقص پذیر ہو گیا۔ اب خلفاء صرف منبر پر خطبہ پڑھوانے اور سکوں پر اپنے نام کندہ کرانے پر اکتفاء کرنے لگے۔" (القلقشندی جلد سوم صفحہ ۲۷۰ و ۲۷۲) اس قول کی تائید ابنِ خلدون کے اس قول سے ہوتی ہے کہ وہ لکھتا ہے "اب خلافت صرف ایک دینی سایہ رہ گئی تھی۔"

۱۵؎ لامنس جلد اوّل صفحہ ۱۹۱

۱۶؎ خلفائے اسلام مطبوعہ مصر۔

۱۷؎ ابنِ خمیس جلد دوم صفحہ ۳۲۶ ، الطبری جلد اوّل صفحہ ۳۴۶۵ ، مقدمہ ابنِ خلدون صفحہ ۲۹۵ ، القلقشندی جلد چہارم صفحہ ۷ ۔

۱۸؎ البلاذری صفحہ ۶ ۔

۱۹؎ لامنس صفحہ ۲۰۳ ۔ الاغانی جلد ۸ صفحہ ۱۸۲ ، الاغانی جلد ۷ ، صفحہ ۱۱۶

۲۰؎ طبری جلد اوّل صفحہ ۳۴۶۶ ، ایک خارجی نے آپ کو قتل کرنا چاہا تھا مگر تلوار سرین پر لگی اور آپ بچ گئے ۔

۲۱؎ ابن العبری صفحہ ۱۸۸

۲۲؎ لامنس صفحہ ۲۰۷ و ۲۰۸

۲۳ خلفائے اسلام مطبوعہ مصر

۲۴ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا قُلْ مَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ - (سورہ الجمعہ)

جب تجارت یا لہو لہب دیکھتے ہیں تو ادھر دوڑ جاتے ہیں، آپ کہہ دیجئے اے نبی! کہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ لہو و تجارت سے بہتر ہے اور اللہ بہترین رازق ہے۔

۲۵ القلقشندی جلد چہارم صفحہ ۶ و ۷ مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۸۶

۲۶ الفخری صفحہ ۹۷

۲۷ یہی نہیں بلکہ ڈاک رسانی کے اور بھی طریقے تھے مثلاً کبوتروں کے ذریعہ بھی نامہ بری ہوتی تھی اور اس کا بھی ایک مستقل دفتر تھا مگر ان سے عموماً جنگ کے ایام میں کام لیا جاتا تھا۔ (صارم)

۲۸ الطبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۳

۲۹ الرسالۃ فی النقود والاسلامیۃ صفحہ ۵

۳۰ المقریزی ایضاً صفحہ ۳

۳۱ طبری جلد دوم صفحہ ۲۰۵

۳۲ الیعقوبی جلد دوم صفحہ ۲۸۶، الفخری ابن الطقطقی صفحہ ۹۷

۳۳ دراصل داد و دہش ہی سے تو امیر معاویہ نے کام چلایا اور حکومت قائم کر دی (صارم)

۳۴ ابن الخمیس لکھتا ہے کہ آپ خضاب لگایا کرتے تھے۔ جلد دوم صفحہ ۳۳۵

۳۵ الیعقوبی جلد دوم صفحہ ۲۸۰

۳۶؎ الیعقوبی جلد دوم صفحہ ۲۷۹

۳۷؎ ابنِ خلدون جلد ۳ صفحہ ۹ و ۸

۳۸؎ الطبری جلد اوّل صفحہ ۳۳۵۶

۳۹؎ تاریخ ابو الفداء جلد اوّل صفحہ ۱۹۶

۴۰؎ الطبری جلد دوم صفحہ ۲۱۵

۴۱؎ الطبری جلد دوم صفحہ ۱۹۷، ابنِ خلدون جلد سوم صفحہ ۱۸ و ۱۹۔ الفخری صفحہ ۱۰۲/۱۰۳

معاویہ بحیثیت ایک فاتح

حضرت معاویہ میں ایسی صفات تھیں کہ بہت کم لوگوں میں ہوتی ہیں مگر آپ میدانِ مقابلہ و مقاتلہ کے مردِ میدان نہیں تھے لہذا اپنی رعایا کے ساتھ شدّت کا برتاؤ نہیں کرتے تھے کیونکہ آپ بہت بردبار تھے ۔ باوجودیکہ آپ کسی کا خون بہانا پسند نہیں کرتے تھے مگر پھر بھی مرتدوں کے ساتھ قتل و قتال میں کسی سے پیچھے نہیں رہتے تھے چنانچہ یہ مشہور ہے کہ مسیلمہ کذاب کو آپ ہی نے قتل کیا تھا۔ اپنے بھائی یزید بن ابی سفیان کے ساتھ فینیقیا اور اردن کو فتح کیا اور اس بحری بیڑے کی قیادت کی جو فتح قبرص کے لیے شام سے روانہ ہوا تھا۔ اس سے پیشتر مسلمان بحیرۂ روم میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

حضرت معاویہ نے حضرت عمرؓ بن الخطاب سے قبرص کی جنگ کی درخواست کی مگر انھوں نے اجازت نہ دی۔ جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو آپ کو لکھا کہ قبرص حمص سے قریب ہے اور اس کی فتح آسان ہے تو حضرت عثمان نے جواب دیا۔ "اگر آپ اپنی بیوی کے ساتھ سمندر کا سفر کریں تو آپ کو اجازت ہے ورنہ نہیں"۔ لہذا معاویہ سمندر میں عکا سے سوار ہوئے۔ آپ کے ساتھ بہت ساری کشتیاں تھیں، رفیقِ سفر فاختہ بنتِ قرظہ آپ کی بیوی بھی تھیں (۲۹ھ ۶۴۹ء)

جب مسلمان وہاں پہنچے تو وہاں کے حاکم نے صلح کا پیغام بھیجا۔ تمام باشندے آپ کے فرماں بردار ہو گئے۔ آپ نے اُن سے سات ہزار دو سو دینار سالانہ پر صلح کر لی اور بیزنطیوں[2] نے بھی اتنی ہی مقدار پر صلح کر لی۔ یہ دونوں قومیں خراج دیتی رہیں مگر انھوں نے یہ شرط لگائی کہ مسلمان انھیں اس امر سے نہیں روکیں گے کہ وہ زرِ صلح روم کو بھی بھیجتے رہیں۔

مجاہدین کے ساتھ جو شرائط انھوں نے کی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اگر کوئی ہم پر حملہ کرے تو مسلمان ہماری طرف سے مدافعت نہیں کریں گے اور یہ کہ وہ مسلمانوں کو روم کی طرف سے ادھر آنے دیں گے لہٰذا جب کبھی اموی سمندر کا سفر کرتے تو اہلِ قبرص انھیں کچھ نہ کہتے، نہ ان کی مدد کرتے اور نہ اُن کے خلاف کسی کی مدد کرتے۔

جب ۳۲ھ ۶۵۲ء آیا تو انھوں نے سمندری لڑائی میں رومیوں کا ساتھ دیا۔ انھیں کشتیاں دیں اور شرائط کا پاس لحاظ نہ کیا تو حضرت معاویہ نے (۳۳ھ ۶۵۳ء) میں ان سے جنگ کی۔ آپ کے ساتھ پانسو کشتیاں تھیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اموی بحری بیڑہ کتنا بڑا تھا، آپ نے قبرص کو بزورِ شمشیر فتح کر لیا، لڑنے والوں کو قتل کیا اور قید کیا پھر انھیں صلح پر برقرار رکھا۔

بلاذری[3] لکھتا ہے:۔ "آپ نے اہلِ قبرص کی طرف بارہ ہزار لوگ بھیجے جو آپ کے وفا میں ملازم تھے۔ انھوں نے وہاں پہنچ کر مسجدیں بنوائیں اور ایک گروہ بعلبک سے ادھر لایا گیا اور ایک شہر آباد کیا۔"

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ حضرت معاویہ، حضرت علی کی طرح بہادر سپاہی نہیں تھے، اوّل درجہ کے منتظمِ جنگ تھے۔ چنانچہ سوریا کا لشکرِ اسلامی

لشکروں میں قوت و انتظام کے اعتبار سے سب سے بڑا تھا۔ عراقیوں نے جنگِ صفین میں آپ کے لشکر کو دیکھا تو تعجب کیا اور ایک عراقی نے کہا:۔

"کیا تم دیکھتے نہیں کہ شامی کتنے اچھے ساز و سامان والے ہیں اور ہم کیسے بدحال ہیں۔ پھر یہ کہ شامی لشکر میں سے جو بھی جنگِ صفین پر گیا اس نے کس پامردی سے جنگ کی کہ حضرت علیؓ مجبور ہو گئے کہ اپنے لشکر میں زندگی کی لہر دوڑائیں چنانچہ آپ نے فرمایا:۔

"ان کے صبر و استقلال سے ڈرنا نہیں کیونکہ قسم بخدا ان میں حمیّتِ عربیہ صرف اپنے مرکز و علم کی حد تک ہے۔"

سوری لشکر چونکہ بلادِ بیزنطیہ سے جنگ آزما رہتا تھا لہذا ان میں حرکت و مشقِ قتال پائی جاتی تھی مگر بغاوتوں کے فرد کرنے کے لیے صوبہ جات کے لشکر ہی کام آتے تھے۔ حضرت معاویہ اپنے شامی لشکر کو صوبجاتی لشکر سے علیحدہ ہی رکھتے تھے شاید اس لیے کہ یہی لوگ تو ان کی حکومت کی بنیاد تھے ڈر تھا کہ کہیں وہ دوسروں سے مل کر اپنے اصلی اوصاف کو نہ کھو بیٹھیں۔ امیر معاویہ باغیوں کے سرغنوں کو بہت کچھ زرِ کثیر خرچ کر کے خرید لیا کرتے تھے تاکہ امن و سلامتی کا دور دورہ رہے اور آپ کا مخلص لشکر صحیح و سالم رہے۔

اگر ہم عراقی اور شامی لشکر میں تقابل کریں تو ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ اول الذکر پر مہمات میں اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ ان میں تمرد و سرکشی زیادہ تھی چنانچہ حضرت علیؓ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:۔

"کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ معاویہ اکھڑ جاہلوں کو بلاتا ہے تو وہ بغیر

عطیہ اور داد و دہش کے اس کا اتباع کرتے ہیں اور سال میں دو تین بار جدھر چاہے ادھر انھیں لے جاتا ہے اور میں تمھیں بلاتا ہوں حالانکہ تم لوگ عقلمند ہو اور عطیات پاتے رہتے ہو مگر تم میری نافرمانی کرتے ہو، میرے خلاف کھڑے ہو جاتے ہو اور میری مخالفت کرتے ہو[۷]۔"

اہلِ شام کی اطاعت و فرماں برداری پر ابن طفیل کا یہ قول بھی دلالت کرتا ہے:۔ "اے معاویہ آپ شام میں تھے تو سب آپ کے فرماں بردار تھے[۸]۔" اور قیس بن ہشیم نے اہلِ عراق سے خطاب کرتے ہوئے کہا وہ بھی اس امر پر دلیل ہے کہ شامی بہت زیادہ اطاعت پذیر تھے:۔ "میں نے اہلِ شام کو دیکھا کہ وہ سردارِ شام کی بات خوشی خوشی مانتے ہیں اور ہم لوگ موسم گرما کے غزوات میں ہوتے ہیں اور ایک کے پاس ہزار اونٹ ہوتے ہیں مگر شامیوں کے سردار کے پاس صرف ایک گھوڑا ہوتا ہے بلکہ ایک آدمی وہ اور پیچھے بٹھا لیتا ہے[۹]۔"

حجاج نے تو فیصلہ ہی کر دیا کہ وہ کہتا ہے:۔ "اہلِ عراق اہلِ شقاق ہیں[۱۰]۔"

معاویہ جانتے تھے کہ لشکر کے دلوں کو کیسے موہنا چاہیے انھوں نے لوگوں کو معمولی وظائف دینے کے علاوہ اور دو چند سہ چند دیا، درآنحالیکہ زیاد اور مغیرہ کے زمانے میں عراقی لشکر کو وظائف بھی پابندی سے نہیں دیئے جاتے تھے اور اگر دیئے جاتے تھے تو بہت تھوڑے تھوڑے انھوں نے اپنی قوم میں سے ہر فرد کے لیے دو دو ہزار درہم مقرر کر رکھے تھے اور اگر کوئی مر جاتا تو اس کے چچا زاد کو جنگ کے دوران میں اسی قدر رقم ملتی رہتی[۱۱]۔

حضرت عمر بن الخطاب نے اشراف کے لیے جو رقم مقرر کی تھی یہ رقم اس کے

مماثل تھی۔ علاوہ بریں جب کبھی حضرت معاویہ کسی لشکری میں حسنِ خدمت کا جذبہ دیکھتے تو اسے اور زیادہ دیتے اور جو بھی لشکر فتوحات کے لیے روانہ ہوتا آپ انھیں اموال دیتے اور ان کے گھر والوں کی خبر گیری کرتے اور ان کی تعزیت داری کرتے۔ جب رودس اور دوسرے شہر فتح ہوئے تو آپ نے ایسا ہی کیا۔ رودس پر جنادہ بن ابی اُمیہ ازدی[۱۲] نے چڑھائی کی تھی جو حدیث کے راویوں سے ہیں۔ حضرت معاویہ نے آپ سے کہا تھا کہ رودس میں کچھ مسلمانوں کو آباد کر دیں۔ یہ واقعہ ۵۲ھ م ۶۷۲ء کا ہے۔ بنو امیہ نے اس مقام کو رومیوں کے جہازوں کو لوٹنے کے لیے اڈا بنا رکھا تھا۔

رودس بڑا سرسبز و شاداب جزیرہ ہے۔ زیتون، انگور، پھل اور شیریں پانی کی بہتات ہے۔ حضرت معاویہ اپنے اس لشکر کو عطیات بھیجتے رہتے تھے۔ رومی ان سے بہت خائف ہو گئے تھے۔ پھر یزید نے ان لوگوں کو اپنے پاس بلوا لیا تھا۔ اس بحری قائد کے ہاتھوں جزیرہ اروی[۱۳] بھی فتح ہوا۔ یہ قسطنطنیہ کے قریب واقع ہے۔ اس کی فتح ۵۴ھ م ۶۷۳ء میں ہوئی اور کریت پر بھی آپ نے چڑھائی کی جسے مؤرخینِ عرب باقریطش[۱۴] کہتے ہیں۔

معاویہ کے لوگوں میں بحری جنگ کا ماہر صرف ایک جنادہ بن ابی امیہ ہی نہ تھا بلکہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ تھے، جیسے معاویہ بن خدیج کندی جس نے صقلیہ پر جنگ کی تھی، اور عبداللہ بن قیس بن مخلد[۱۵]، جس نے اس جزیرے کے لوگوں کو قید کیا تھا اور سونے چاندی کے بت اٹھا لیے تھے، جن پر جواہرات کے تاج تھے۔ یہ بت بعد ازاں ہندوستان فروخت کے

لیے بھیج دیئے گئے تھے۔ فتوحاتِ امویہ بحر و بر میں پھیل گئی تھیں۔ حبیب بن مسلمہ حضرت معاویہ کے زمانۂ خلافت میں ارمینیا کی طرف گیا پھر قالیقلا آیا۔ وہاں پڑاؤ کیا، وہاں کے باشندے لڑنے کے لیے بڑھے، وہ ان سے لڑا حتیٰ کہ وہ شہر بند ہو گئے، پھر انھوں نے جلاوطنی اور جزیہ پر صلح کر لی تو بہت سے لوگ جلاوطن کر دیئے گئے اور وہ بلادِ روم میں داخل ہو گئے۔

بلاذری کی روایت ہے کہ حضرت معاویہ نے دو ہزار آدمی قالیقلا کی سکونت کے لیے بھیجے اور انھیں بہت سی جاگیریں دیں اور سرحد کا نگہبان بنایا۔

فاتحین بنو امیہ اپنی لڑائیوں میں لوگوں کے ساتھ بہت نرمی کا برتاؤ کرتے تھے جیسا کہ صلح نامہ دبیل (ارمینیا) سے واضح ہوتا ہے:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ دستاویز حبیب بن مسلمہ کی طرف سے دبیل کے نصاریٰ، مجوس، یہودی، حاضر و غائب ہر ایک کے لیے ہے۔ میں نے تمہاری جانوں، مالوں، کنیسوں، گرجوں، شہر پناہوں کو امان دی۔ تم مامون ہو۔ ہمارے ذمہ عہد کی پابندی ہے۔ جب تک کہ تم لوگ وفا کرو اور جزیہ و خراج دو۔ اللہ گواہ ہے اور اللہ کی گواہی کافی ہے۔ حبیب بن مسلمہ نے مہر لگائی۔"

حضرت معاویہ کے لشکر شمال میں قسطنطنیہ تک جا پہنچے تھے جبکہ آپ نے بلادِ روم (اناضول) کی طرف ایک بڑا بھاری لشکر بھیجا تھا اور سفیان بن عوف کو سپہ سالار بنایا تھا اور اپنے بیٹے یزید کو اس کے ساتھ روانہ کیا تھا۔ مسلمان ایک دن بیزنطیوں سے لڑے مگر لشکر میں بھوک اور بیماری کا دور دورہ ہو گیا لہٰذا واپس چلے آئے۔ یہاں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔

اور شہر پناہ کے قریب دفن کر دیئے گئے۔[18]

حضرت معاویہ نے افریقہ میں بھی اپنا ایک اچھا اثر چھوڑا کیونکہ آپ کے گورنر عقبہ بن نافع نے دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ ادھر حملہ کیا تھا اور اسلام کی بنیاد ڈالی،[18] یہاں کے قیروان کو چھاؤنی بنایا اور اسے بربری لشکر کے لیے جائے پناہ ٹھہرایا۔ یہی وہ مرکز ہے جہاں سے اہل عرب نے جہاد کیا اور پھر ان سے ایک جرار لشکر تیار کیا جو فتوحات ہسپانیہ میں کام آیا۔

امیر معاویہ کی حکومت جانب غرب میں قیروان تک اور جانب شرق میں ہندو سندھ تک پھیلی۔ ہندو سندھ کی فتوحات میں جن سپہ سالاروں نے حصہ لیا ان میں مہلب بن ابی صفرہ، عبداللہ بن سوار، راشد بن عمرو الجدیدی اور دیگر سپہ سالار شریک تھے۔[19]

اگر ہم حضرت معاویہ کے طرز حکومت و سلوک پر غور کریں گے تو ہمیں آسانی سے معلوم ہو جائے گا کہ آپ اتنی دور دور کی حکومتوں پر کس طرح کنٹرول کرتے تھے۔ حضرت معاویہ کرسئ عدالت پر بیٹھتے تو کمزور، بدو، بچے، عورتیں اور جس کا کوئی بھی وارث نہ ہوتا آتے اور کہتے مجھ پر ظلم کیا گیا ہے تو آپ فرماتے اس کی عزت کرو۔ کوئی کہتا مجھ پر دست درازی کی گئی ہے تو آپ فرماتے اس کی مدد کے لیے بھیجو۔ اور کوئی کہتا میرے ساتھ زیادتی ہوئی تو فرماتے اس کے معاملے میں غور کرو۔[20]

جب آپ سرداران قبائل اور اشراف کے ساتھ بیٹھتے اور معاملات پیش کیے جاتے تو بس اسی قسم کے جملے فرماتے کہ فلاں کو دے دو۔ ان سے

معاہدہ کرو، انھیں دو، ان کی ضروریات پوری کرو، ان کی خدمت کرو، اسی لیے کسی نے آپ کا برا نہیں چاہا۔[۲۱]

امیر معاویہ بڑے زیرک، عقلمند اور دانا تھے۔ رات کے ایک تہائی حصے تک اخبارِ عرب، ایامِ عرب و عجم، ملوک عجم، ان کی سیاست، تمام دنیا کے بادشاہوں کی لڑائیوں، مکاریوں اور پچھلی امتوں کے حالات وغیرہ کا مطالعہ کرتے۔

آپ کے سامنے ایسی کتابیں پڑھی جایا کرتی تھیں جن میں بادشاہوں کے سوانح، عادات و حالات ہوتے، کچھ لڑکے اس خدمت پر متعین تھے، وہ پڑھتے اور آپ سنتے۔ اس طرح ہر رات سیر، آثار و سیاست سے آپ کو نئی نئی باتیں معلوم ہوتیں۔[۲۲]

بے غبار حقیقت یہ ہے کہ معاویہ تاریخ اسلام میں ایک درخشاں شخصیت کے مالک تھے، کیونکہ آپ ایک حکومت کے بانی تھے، بہت سے امراء، خلفاء شجاعت، زہد اور علوم کی سرپرستی میں آپ سے فائق ہوئے ہیں مگر وہ بات اُن کو میسر نہ ہوئی جو معاویہ کو حاصل تھی، یہ وہ شخص ہے جس نے حکومتوں کی تربیت کی، امتوں کی قیادت کی اور ملکوں کی نگہبانی کی۔

اگر ہم ان بنیادوں اور ان تقلیدوں کا مطالعہ کریں جن پر ابتداء سے دولتِ عربیہ کی بنیاد دھری گئی تھی تو ہم انھیں فاسد پاتے ہیں کیونکہ ایک بڑی تحریک کیسے کامیاب ہو سکتی ہے جبکہ اس کے وسائل ناقص ہوں، ہاں حکومتوں کی تاسیس اور ان کا انتظام شہروں کے امن، مملکت کے عناصر میں اتحاد اور فاتح و مفتوح میں باہمی مفاہمت کو چاہتا ہے۔ اگر ہم ان شرائط کا حکومت

معاویہ میں کھوج لگائیں جبکہ وہ شروع شروع مسندِ شاہی پہ بیٹھے تو ہمیں یہ چیزیں نہیں ملتیں اور مل بھی کیسے سکتی ہیں جبکہ یہ باتیں تب ہی ہو سکتی تھیں کہ وہ قبائل کو مٹا دیتے، قدیم قوانین کو اڑا دیتے اور تفاخر و انتقام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتے[۲۳]۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم جب اس حالت کا اندازہ لگاتے ہیں جس پر اہلِ عرب تھے پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ معاویہ ایک اچھے منتظم اور عمدہ لیڈر ہیں کہ سب کو اپنے ساتھ فتوحاتِ امم کیلئے لیئے چلتے ہیں۔ ان امتوں پر فتوحات کے لیے جو تہذیب و تمدن میں اُن سے بہت آگے ہیں اور شہریت و عمران میں اُن سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں تو ہمیں آپ کی طاقت پر تعجب ہوتا ہے اور ہمیں ان کے احترام کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ وہ وسائل جن سے حضرت معاویہ نے حالات کا مداوا کیا اور انھیں عالمِ وجود کی طرف لائے۔ ان امراض کی نسبت بہت ہی کم تھے جو امت میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان تمام باتوں کے باوجود مؤرخینِ عرب نے اُن کو اُن کا صحیح مقام نہیں دیا جس کے وہ مستحق تھے۔ بالخصوص شیعہ حضرات نے، اور یہ بات نبابرِ تعصب کے ہوئی۔

امیر معاویہ جیسا کہ لامنس کہتا ہے[۲۴]، دولتِ اسلامیہ کا دوسرا مؤسسِ کبیر ہے۔ اس لیے کہ آپ نے عاداتِ و تقالیدِ عرب، اور آیاتِ قرآنی سے ایک بلند پایہ حقیقی سیاسی حکومت قائم کر دی جو حضرت عمر بن الخطاب کی حکومت کی طرح سے صوفیانہ حکومت نہیں تھی، آپ نے تمام عالمِ اسلامی کی نظریں دمشق کی جانب پھیر دیں اور اس کو دار الخلافہ بنا کر مرکزِ جاذبیت

بنا دیا۔ فتوحاتِ اسلامیہ دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ صرف اس لیے ہوا کہ اہلِ عرب اپنے دشمنوں کے مقابلے میں جنگی مہارت زیادہ رکھتے تھے لیکن اہلِ عرب کو ملانا یہ کام امیر معاویہ کی اقتصادی تدابیر ہی کا تھا۔ یہ نوجوان جو اپنے مشہور تاجر باپ کی گود میں پرورش پایا اس کی قوت ممکت پر یہ واضح دلیل ہے کہ حکومت اسلامیہ کے قائم کرنے، عراق کے خلفشار کو دور کرنے، چوری، قتل اور آگ لگانے کی روک تھام میں جو مشکلات عمر و عثمان کو پیش آئیں آپ نے خوبی کے ساتھ ان پر کنٹرول کیا حالانکہ اہلِ بصرہ و کوفہ ان چیزوں کے عادی تھے[65]۔ اگر امویوں کی مہارت اور ان کے حاکموں یعنی زیاد بن ابیہ، عبید اللہ بن زیاد، حجاج بن یوسف اور خالد القسری کی پختہ کاری نہ ہوتی تو ان اطراف میں ان کی حکومت کے جھنڈے لہراتے نظر نہ آتے۔

حضرت معاویہ نے ان پرہیجان قبائل سے ایک قوی لشکر مرتب کیا جس سے داخلی خلفشار دور ہو گئے اور بیرونی جہاد بھی خوب ہوا اور یوں قریشیوں کا مرتبہ اتنا بلند ہو گیا کہ وہ لوگ امیر البحر بنے جبکہ حکومتِ امویہ سمندروں کی رانی قرار پائی اور اس نے اپنی سطوت سے بیزنطیوں کے دارالحکومت کو ہلا کر رکھ دیا۔

امیر معاویہ اور ان کے خلفاء نے قدیم قواعد و قوانین اور تقالید و رسومات کو مانجھا اور جہاں کہیں کہ اُن کے جھنڈے لہراتے تھے انھیں روحِ بلاد کے مناسب بنایا، پھر انہوں نے شوریٰ کا خاتمہ کر دیا جو ان کے زمانہ میں مرکزِ اضطراب و اختلال تھا۔

اموی حیاتِ اسلامیہ میں ایک قومی رکن کی حیثیت رکھتے تھے، یہاں

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا معاویہ اور ان کے خلفاء اس حقارت کے مستحق ہیں جس کے بارے میں مسلمان مؤرخین کبھی بخل نہیں کرتے حالانکہ ان لوگوں میں اسلام کے بڑے بڑے کارپرداز ہو گزرے ہیں؟

۱؎ البلاذری فتح القدس صفحہ ۱۵۲ و ۱۵۴

۲؎ الدولۃ البیزنطیہ مطبوعہ بغداد مصنفہ صالح احمد

۳؎ البلاذری صفحہ ۱۴۵

۴؎ الطبری جلد اوّل صفحہ ۳۲۲ ۲

۵؎ الطبری جلد اوّل صفحہ ۳۳۲۲

۶؎ الدولۃ البیزنطیہ مطبوعہ بغداد، صالح احمد

۷؎ الطبری جلد اوّل صفحہ ۳۴۱۰

۸؎ لامنس صفحہ ۲۶۹ عن العقد الفرید جلد اوّل صفحہ ۲۰۷

۹؎ الطبری جلد دوم صفحہ ۸۰۶

۱۰؎ لامنس صفحہ ۲۶۹

۱۱؎ الدنیوری صفحہ ۱۹۹

۱۲؎ البلاذری صفحہ ۲۲۶ و ابن خلدون صفحہ ۱۸ جلد ۱۳

۱۳؎ ابن اثیر اسے ارداو کہتا ہے درا صل یہ اردی ہے صفحہ ۱۹۶ جلد ۳ ابن خلدون صفحہ ۱۸ جلد ۳ پر اسے اردیٔ لکھتا ہے مگر بلاذری اسے ارداد کہتا ہے

صفحہ ۲۳۶ مگر یہ وہ ارواد نہیں ہے جو شامی ساحل کے قریب ہے۔

۱۴ البلاذری صفحہ ۳۲۶

۱۵ البلاذری صفحہ ۳۲۵

۱۶ البلاذری صفحہ ۲۰۰، تفلیس کے معاہدہ سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے۔ دیکھیئے البلاذری صفحہ ۲۰۱ و ۲۰۲

۱۷ ابنِ خلدون جلد سوم صفحہ ۹، ۱۰۔ المسعودی جلد دوم صفحہ ۴۹ ابو الفداء جلد اوّل صفحہ ۱۹۷

۱۸ ابن الاثیر جلد سوم صفحہ ۱۸۴؛ ابو الفداء جلد اوّل صفحہ ۱۹۷، ابنِ خلدون جلد سوم صفحہ ۱۰؛ البلاذری صفحہ ۲۲۸ و الیعقوبی جلد دوم صفحہ ۲۷۲

۱۹ البلاذری صفحہ ۳۳۴ و الیعقوبی جلد دوم صفحہ ۲۷۸

۲۰ المسعودی صفحہ ۵۱ و ۵۲۔ جلد دوم

۲۱ " " " " " "

۲۲ " " " " " "

۲۳ لامنس صفحہ ۲۷۴

۲۴ لامنس صفحہ ۲۷۵ و ۲۷۷

۲۵ لامنس صفحہ ۲۷۸

معاویہ بحیثیت ایک بُردبار

مسلمان مورخین عموماً اگرچہ آپ کا ذکر حقارت سے کرتے ہیں لیکن کیا وہ آپ کی بردباری کا احترام کے ساتھ ذکر نہیں کرتے ؟ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ حلم سے کیا مراد ہے اور اہل عرب اس کا کیا مطلب لیتے تھے ؟ شاید وہ جملے اور وہ حدود جو انہوں نے حلم و سبک سری کے بارے میں درج کئے ہیں ہم اُن سے اچھی طرح اس کے معنی سمجھ سکیں گے۔

قیس بن عاصم لکھتے ہیں :-

" بردباری یہ ہے کہ تم قاطع رحم کے ساتھ صلہ رحمی کرو ، جو تمہیں محروم کرے اسے دو اور جو ظلم کرے اسے معاف کر دو۔[1] "

ایک شاعر کہتا ہے

لیست الاحلام فی حین الرضا	رضامندی کے وقت حلم نہیں ہوتا
انما الاحلام فی حین الغضب	حلم وہ ہے جو غصہ کے وقت ہو۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ ، نے حلم کی تفسیر اس طرح کی ہے :-

" بردباری غصہ کو پی جانا اور نفس کو قابو رکھنا ہے۔[2] "

اہلِ عرب کے اقوالِ حکمت سے یہ قول ہے :-

"بردباری کا ظہور غلبہ کے وقت ہوتا ہے جس طرح عفو کا ظہور قدرت کے وقت ہوتا ہے۔"[۶۴]

حضرت ابو عبیدہ نے فرمایا ہے کہ بردباری کے بارے میں عرب کی ایک کہاوت یہ ہے :۔

"جب شر کا نزول ہو تو بیٹھ جاؤ یعنی بردباری کرو۔"[۶۵]

اہل عرب کہتے ہیں "بردبار انسان سبک سر سے انصاف نہیں چاہتا۔"

حلیم لوگوں کی توصیف اہل عرب نے ان الفاظ میں بطور استعارہ کی ہے :۔"گویا ان کے سروں پر پرند بیٹھے ہیں۔"

بعض لوگوں نے حلم کی توصیف میں کہا ہے :۔"حلیم سبک سروں کی سواری ہوتا ہے۔"[۶۶]

ایک بردبار نے اپنے بارے میں کہا ہے :۔"میرا حلم بہرا ہے اور میرے کان بہرے نہیں ہیں"[۶۷]

ایک اور بردبار نے کہا ہے :۔"بسا اوقات میں سنتا ہوں تو پرواہ نہیں کرتا۔"[۶۸]

عرب کے مشہور ضرب المثل بردبار احنف بن قیس کا مقولہ ہے :۔"میں حلیم نہیں ہوں مگر بہ تکلف حلیم بن جاتا ہوں"[۶۹]

ان سے دریافت کیا گیا کہ "بردبار کون ہے ؟ آپ یا معاویہ ؟" فرمایا بخدا تم سے بڑا جاہل میں نے نہیں دیکھا معاویہ قدرت رکھتے ہوئے بردباری کرتا ہے اور میں بردباری تو کرتا ہوں مگر قدرت نہیں رکھتا تو میں اس سے کیسے بڑھ سکتا ہوں یا اس کے برابر کیسے ہو سکتا ہوں۔"[۷۰]

ہشام بن عبد الملک نے خالد بن صفوان سے دریافت کیا: "تم لوگوں میں احنف بن قیس، بردباری کے اس مرتبے تک کیسے پہنچ گیا؟ اس نے کہا۔ ایک سبب بتاؤں یا دو یا تین؟ ہشام نے کہا ایک سبب بتاؤ؟ تو اس نے کہا، وہ تمام لوگوں سے اپنے نفس پر سب سے زیادہ قوی تھا۔ ہشام نے کہا، اچھا دو سبب کیا ہیں؟ کہا، وہ شر کو روکنے والا اور بھلائی کو پھیلانے والا تھا۔ ہشام نے کہا اور تین سبب کیا ہیں؟ کہا سبک سری نہیں کرتا تھا، دست درازی نہیں کرتا تھا اور بخل نہیں کرتا تھا۔"

ایک شخص نے احنف بن قیس سے کہا کہ مجھے بردباری سکھائیے۔ فرمایا، "اے بھتیجے! حلم ذلّت کا دوسرا نام ہے کیا تو اس پر صبر کر سکتا ہے۔"

بسا اوقات کہا کرتے تھے جس نے ایک کلمہ نہیں سنا اسے بہت سے کلمات سننے پڑیں گے۔

اہلِ عرب کی حکمتوں میں سے ہے:۔ "کوئی چیز کسی چیز کو اتنا زیب نہیں دیتی جس قدر حلم علم کو اور عفو قدرت کو۔"

حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا۔ "سبک سر کے ساتھ آپ کی بردباری اُس کے خلاف مددگاروں میں اضافہ کرتی ہے۔"

کعب بن زہیر کہتا ہے:۔

اذا انت لم تعرض عن الجهل والغنا
اصبت حليمًا او اصابك جاهل

جب تم سبک سری اور فحش سے نہیں بچو گے
تو پھر کسی بردبار سے پالا پڑے گا یا کسی سبک سر سے

الکامل میں ہے :۔ "حلم وہ ہے کہ کسی ایسی بات کو چھوڑ دے جس پر قادر ہو جبکہ کسی انجام بد کا خدشہ نہ ہو، یہ ہے حلم خالص۔"

اغانی میں ہے

"حلیم وہ نہیں ہے جسے قدرت ہی نہ ہو اور دشمن کو نقصان نہ پہنچا سکے۔"

مشہور ہے کہ "بردبار حلیم وہ سردار ہے کہ جس کے ساتھ سبک سری کا برتاؤ کیا جائے۔" اخطل نے امویوں کی تعریف میں ایک قصیدہ پیش کیا جس کا ایک مصرعہ یہ ہے۔

واعظم الناس احلاماً اذا قدروا — جب وہ قادر ہوتے ہیں تو سب سے زیادہ بردبار ثابت ہوتے ہیں۔

کتاب البیان والتبیین میں جاحظ لکھتا ہے۔

تلقاھم حلماء من اعداھم — تم انھیں دشمنوں کے ساتھ بردبار پاؤگے

وعلی الصدیق تراھم جھالا — اور دوستوں کے ساتھ سبک سر۔

مشہور مقولہ ہے :۔

"بہت سی بردباریاں افلاس کی وجہ سے ضائع ہو جاتی ہیں اور بہت سی سبک سریوں پر امیری پردہ ڈال دیتی ہے۔"

مشہور حکمتوں میں سے یہ مقولہ ہے :۔ "جو حلیم ہوا سردار بنا اور جو فہیم ہوا وہ ترقی کر گیا۔"

اہل عرب ہی کا مقولہ ہے :۔

"سبک سری اور طیش حلم کی ضد ہیں۔"

ان تمام اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ حلم ایک بہت وسیع لفظ ہے جس کے بہت

سے معنی اور بڑی عظمت ہے کہ لغتِ عرب اس پر حسد کرتا ہے۔ اس کے
شرائط سے عطا، غصہ کو پی جانا، نفس پر قابو، صبر، شر سے بچنا، بھلائی کو پھیلانا،
عدمِ سبک سری و زیادتی، قدرت بر عزائم اور بلا کسی خوف کے ان تک پہنچ اور
تونگری و بیوقوفی و چالاکی سے بچنا ہے۔ یہ وہ وصف ہے جس کی تمام مورخین آپ کے
بارے میں توصیف کرتے ہیں، اور یہ قسم بخدا ممکنات کے سب سے بڑے وسائل، دلوں
کے موہنے، احکام کے چلانے اور دائمی سکون کے ذرائع سے ہے۔

ہمیں معاویہ کے اعمال و افعال میں بردباری صاف طور پر نظر آتی ہے۔ جب ہم
آپ کا یہ قول پڑھتے ہیں: "میں اپنے نفس کو اس امر سے بچاتا ہوں کہ کوئی گناہ ایسا
بھی ہو جو میرے عفو سے بڑھ کر ہو، یا کوئی سبک سری ایسی ہو جو میری بردباری پر
چھا جائے یا کوئی ایسی خطا ہو جسے میں چھپا نہ سکوں اور کوئی ایسی برائی ہو جس
کے مقابلہ میں میں احسان نہ کر سکوں[۱۱]"۔

بسا اوقات آپ فرمایا کرتے تھے: "عقل حلم[۱۲] اور علم سب سے اعلیٰ نعمتیں
ہیں جو کسی انسان کو دی جائیں تو جب اسے یاد دلایا جائے تو وہ یاد کرے، جب
دیا جائے تو شکر کرے، جب مبتلائے مصائب ہو تو صبر کرے، جب غضب ناک ہو
تو غصہ کو پی جائے، جب صاحب قدرت ہو تو بخش دے، جب برا سلوک کیا جائے
تو بخش دے اور جب وعدہ کرے تو پورا کرے"۔

اور سیاست کے بارے میں آپ کا یہ قول: "میں وہاں تلوار نہیں اٹھاتا جہاں
کوڑا کافی ہو، اور کوڑا نہیں اٹھاتا جہاں میری زبان میرے لیے کافی ہو، اگر میرے
اور لوگوں کے درمیان ایک بال برابر رشتہ بھی ہو تو وہ منقطع نہیں ہو سکتا۔"

آپ سے پوچھا گیا یہ کیسے ؟
فرمایا، "ایسے کہ جب وہ اسے دراز کرتے ہیں تو میں ڈھیل دیتا جاتا ہوں اور جب ڈھیلا چھوڑ دیتے ہیں تو میں اُسے کھینچتا ہوں[13]۔"
آپ نے اپنا نصب العین اس بات کو بنا لیا تھا کہ آپ نرمی اور بردباری سے وہ کام کر سکتے ہیں جو شدت اور سختی سے نہیں کر سکتے کیونکہ اہل عرب کا مقولہ ہے "کیا دیکھتے نہیں ہو کہ پانی باوجود اپنی نرمی کے پتھر کی سل کو باوجود اس کی سختی کے توڑ دیتا ہے۔"
سب سے بڑی خوبی جس سے آپ آراستہ تھے اور مملکت کی لغزشوں کو دور کرتے تھے یہ تھی کہ فرمایا کرتے تھے :۔
"میرے نزدیک غصہ پی جانے سے زیادہ لذیذ کوئی چیز نہیں ہے[14]۔"
نیز فرمایا کرتے تھے :۔
"میں لوگوں کے اور ان کی زبانوں کے درمیان اس وقت تک حائل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ میرے اور میری مملکت کے درمیان حائل نہ ہوں[15]۔ اس لیے میں خیال کرتا ہوں کہ حکومتوں کو اپنے ناقدین سیاست و نظام وغیرہ پر مظالم نہیں ڈھانے چاہئیں بلکہ اُن کے لیے قول و نگارش کی آزادی ہونی چاہیئے، صحافت اور خطیب و مقررین بھی آزاد ہونے چاہئیں گو وہ منبر پر چڑھ کر کتنے ہی چیخیں اور لعن طعن کریں کیونکہ اسی طرح اصلاح ہو سکتی ہے اور مہذب اکثریت کی رائے معلوم ہو سکتی ہے۔" ہماری موجودہ مشرقی حکومتوں کو ایک بردبار بادشاہ سے یہ سبق لینا چاہیئے۔
ایک بار حضرت معاویہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون

ہے ؟ فرمایا، "جو سب سے زیادہ لوگوں سے محبت کرتا ہے۔"[۱۶]

یہ ایک ایسا نمونہ ہے جسے آج کل کے برسر اقتدار طبقے کو اپنا شعار بنا لینا چاہیئے کیونکہ تب ہی وہ ایسے کام کر سکتے ہیں جو امت چاہتی ہے، اور ایسے کاموں میں تاخیر نہیں ہوگی جن کی امت کو ضرورت ہے، عوام کے بہادرانہ شور و شغب کی پرواہ نہ کرنی چاہیئے۔

حضرت امیر معاویہ نے اپنے معاصرین پر ایک اچھا اثر چھوڑا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس[۱۷] آپ کی توصیف میں فرماتے ہیں:۔

"وہ اپنے پوشیدہ اسرار سے بلند ہوا اور اپنے اظہار سے اس نے غلبہ پایا۔ اظہار کے ذریعہ اسرار تک پہنچا اور اُسے پالیا۔ اس کا حلم اس کے غضب پر غالب ہے اور سخاوت بخل پر، صلہ رحمی کرتا ہے قطع رحم نہیں کرتا، ملاتا ہے، جدا نہیں کرتا۔ لہذا اس کے سب معاملات درست رہے اور وہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔"[۱۸]

حضرت عمرو بن العاص جو آپ ہی کی طرح زیرک تھے۔ آپ کے متعلق فرماتے ہیں:۔ "یہ قریش کے گندم گوں ہے اور اس کے سردار کے بیٹے سے، جو غصہ میں بھی ہنستا ہے اور جب سوتا ہے تو سب سے راضی ہو کر سوتا ہے اور لے لیتا ہے اس چیز کو جو اس کے اوپر ہے نیچے سے۔"[۱۹]

اخطل آپ کے بارے میں کہتا ہے[۲۰]:۔

وطدت لنا دین النبی محمد	تو نے دین نبی کو ہمارے لیے اپنی بردباری
بحلمك اذ هرت سفاها كلابها	سے آسان کر دیا جبکہ بیوقوفی سے کتے بھونکتے رہے۔

قیس بن رقیات کا بنو امیہ کے بارے میں مشہور شعر ہے:۔[۲۱]

وما نقموا من بنی امیۃ الا	لوگ بنو امیہ سے صرف اس لیے بغض
انھم یحلمون ان غضبوا	رکھتے ہیں کہ وہ غضب کے وقت بردبار ہوتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ نے جو عملی سبق بردباری سے متعلق دیئے وہ بیکار نہیں گئے بلکہ ان کے خلفاء نے آپ کے نمونہ پر چلنے کی کوشش کی، اسی لیے آپ عرب کے لیے سیاسی معلم بھی ہیں اور مؤدب بھی!

عبدالملک بن مروان آپ پر تعجب کیا کرتا تھا اور آپ کے قدم بقدم چلنا چاہتا تھا چنانچہ آپ کے بارے میں جب کہ وہ آپ کی قبر کے پاس سے گزر رہا تھا اور کسی نے پوچھا تھا کہ یہ قبر کس کی ہے؟ تو کہا تھا:۔" یہ قبر اس شخص کی ہے کہ بخدا جیسا کہ میں جانتا ہوں علمیت سے بات کرتا تھا اور حلم سے خاموش رہتا تھا۔ جب دیتا تو مالدار کر دیتا اور لڑتا تو فنا کر دیتا تھا۔"[۲۲]

حضرت معاویہ کے حلم کے بارے میں بہت سی حکایات ہیں جو آپ کی ایسی وسعتِ قلبی پر دلالت کرتی ہیں جو بڑے بڑے ماہرین تجربہ کار لوگوں میں ہوتی ہے۔ آپ نے ان ہاشمیوں کو بھی معاف کر دیا تھا جنھوں نے ان الفاظ میں آپ کو خطاب کیا تھا:۔

" قسم بخدا وہ دل جن سے ہم تیرے ساتھ بغض رکھتے ہیں ہمارے سینوں میں ہیں اور وہ تلواریں جن کے ذریعہ ہم تجھ سے لڑے ہمارے کاندھوں پر ہیں اگر تو غداری سے ہماری طرف ایک بالشت بڑھے گا تو ہم شر کے ساتھ تیری طرف گز بھر بڑھیں گے اگرچہ گلا کاٹ دیا جائے اور ہمیں مار ڈالا جائے، ہمیں مر جانا زیادہ

آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ علی کے بارے میں کوئی کلمہ بد سنیں، اے معاویہ! تلوار تلوار کو اٹھاتی ہے۔"

یہ باتیں سن کر معاویہ نے کہا "یہ سچی باتیں ہیں انھیں لکھ لو۔"[۲۴]

ایک دن منبر پر چڑھے اور اہلِ عرب کو ٹٹولنے کے لیے کہا:۔

"ہمیشہ لوگ میری بات کی تردید کرتے ہیں کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ میں معاف کر دیتا ہوں۔ میرے حلم کی وجہ سے وہ دھوکے میں ہیں اب آئندہ سے کوئی لغزش معاف نہیں کی جائے گی اور کوئی معذرت نہیں سنی جائے گی۔"

تو انصار میں سے ایک شخص خریم نے کہا:۔ "ہمارے حقوق نہ ماریئے کہ ہم آپ کا حق ماریں، اپنی نرمی سے نہ ڈریئے کہ ہمارے دل کراہت کرنے لگیں، عفو کا دامن تھامے رہیئے تاکہ آپ ہمارا شفاف پانی پیئں کیونکہ ہم ذلت آشنا نہیں ہیں اور سختی سے مطیع نہیں ہوتے۔"

اس پر آپ نے فرمایا

"میں اس قدر بردباری کرتا ہوں جو لوگوں کو معاف کرا دیتی ہے اور اس قدر غصہ کو پیتا ہوں کہ بڑے بڑے حوصلے والے نہیں پی سکتے۔" اور یہ شعر پڑھا

اناۃً وحلماً و انتصاراً بھم غداً	میں اُن سے درگزر بنا بر حلم اور کل کام
فما انا بالوانی ولا الضارع لغیر	لینے کے لیے کرتا ہوں۔ میں کوئی سست یا ذلیل انسان نہیں ہوں۔

جب قیس بن سعد جماعتِ انصار کے ساتھ حضرت علی کی وفات کے بعد آئے تو حضرت معاویہ نے انھیں ان الفاظ میں ملامت کی:۔

"اے انصاریو! تم میرے ساتھ تھوڑے تھے اور میرے خلاف بہت تھے، تم نے جنگِ صفین کے دن میرا زور توڑ دیا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ موتیں تمہارے نیزوں سے جھڑ رہی ہیں اور نیزوں کی نوکوں سے بھی زیادہ تیز تم نے میری اور میرے اسلاف کی مذمت کی حتیٰ کہ جب اللہ نے اس چیز کو درست کھڑا کر دیا جس کو تم ٹیڑھا رکھنا چاہتے تھے۔ اب کہتے ہو وصیتِ رسول کی رعایت کر، افسوس! حقیر بھی غداری کو قبول نہیں کرتا۔"

تو قیس نے جواباً کہا:

"رہی ہماری عداوت آپ کے ساتھ اگر آپ چاہتے تو اسے روک دیتے۔ رہی ہجو، تو باطل مٹ جاتا ہے اور حق رہ جاتا ہے۔ رہا معاملات کا درست ہو جانا تو یہ ہماری رغبت کے خلاف ہوا۔ رہا جنگِ صفین میں آپ کے دانت کھٹے کر دینے کا معاملہ تو بات یہ ہے کہ ہم اس شخص کے فرماں بردار تھے جس کی اطاعت کو ہم اللہ کی اطاعت سمجھتے تھے۔ رہا رسول اللہ کی وصیت کا معاملہ، تو جو ایمان دار ہوگا وہ ضرور اس کی رعایت کرے گا۔ یہی آپ کی یہ بات کہ حقیر سے حقیر انسان بھی غداری کو برداشت نہیں کر سکتا، تو سوائے اللہ کے تجھے ہم سے کون روک سکتا ہے۔"

یہ سُنکر حضرت معاویہ نے کہا: "اپنی ضروریات کا اظہار کرو۔"[۲۶]

بعض اہلِ عرب معاویہ کے منہ پر انھیں بددعا دیتے تھے تو آپ چشم پوشی کرتے۔ اس قسم کے قصوں میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ جب آپ خلیفہ بن گئے تو ابو طفیل کنانی آپ کے پاس آیا تو آپ نے دریافت فرمایا، اپنے

دوستِ ابوالحسن (علی) کا تجھے کتنا صدمہ ہے؟ اس نے کہا جیسے موسیٰ کی ماں کو موسیٰ کا صدمہ تھا اور میں اللہ سے تقصیر کی معافی چاہتا ہوں۔

جب معاویہ حضرتِ عثمان کے قصاص کے لیے کھڑے ہوئے تو طفیل نے جعدی کے اس شعر کو حسبِ حال پڑھا تھا کیونکہ حضرت معاویہ عثمان کی مدد کے لیے بغاوتِ مدینہ کے دن تشریف نہیں لائے تھے ؎

لاالفینک بعد الموت تندبنی — مرے پیچھے تو مجھے روئے گا، مگر

دفی حیاتی ما زودتنی زادی[۲۷] — زندگی میں تو نے کیا کیا۔

امیر معاویہ نے ہاشمیوں، انصار اور دیگر سرداروں کی باتوں کو برداشت کیا علاوہ بریں بوڑھی عورتوں کی ملامت کو بھی برداشت کیا۔ ایک دن اروی بنت حارث آئیں اور کہا: "تو نے کفرانِ نعمت کیا، اپنے چچازاد کے ساتھ بدسلوکی کی اور ایسا لقب اختیار کیا جس کا تو اہل نہ تھا، دوسرے کا حق مارا حالانکہ ہم اہلِ بیت نے دین کے بارے میں بڑی مصیبتیں کی تھیں۔"

حضرت معاویہ نے فرمایا: "اللہ پچھلے گناہوں کو بخشتا ہے، اپنی ضرورت کا اظہار کیجیے۔"

انھوں نے کہا: "مجھے دو ہزار دینار کی ضرورت ہے تاکہ ایک زرخیز زمین میں ایک جاری چشمہ خریدوں کہ وہ فقرائے بنی حارث بن عبدالمطلب کے کام آئے، دو ہزار اور چاہئیں تاکہ بنو حارث کے فقراء کی شادی کردوں اور دو ہزار اور درکار ہیں تاکہ زمانے کی تکلیفوں سے بچ سکوں۔"

آپ نے چھ ہزار دینار دینے کا حکم دیا، وہ لے کر چلی گئیں۔[۲۸]

خلاصہ یہ ہے کہ آپ حلم کے مقام پر حلم برتتے تھے اور شدت کے مقام پر شدت۔ مگر آپ کا حلم آپ کی سختی پر غالب تھا، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو بھی قریشی آپ کے پاس آتا تھا اس کی عزت کرتے۔ خوب خوب مہمان نوازی کرتے اور ان کی ضروریات کو پورا کرتے مگر وہ پھر بھی سخت کلامی کرتے اور ترش روئی سے پیش آتے۔ مگر آپ کبھی تو خوش مذاقی سے ٹال جاتے کبھی چشم پوشی فرماتے اور کبھی ان پر انعام و اکرام کی بارشیں کرتے، اس طرح بقول الفخری آپ عالم اسلامی کے امیر و خلیفہ بن گئے۔

علاوہ بریں مہاجرین و انصار کے وہ تمام فرزند جو اپنے آپ کو آپ کے مقابلہ میں مستحقِ خلافت سمجھتے تھے آپ کے سامنے جھک گئے۔

ـ۱ العقد الفرید جلد اول صفحہ ۱۶۵۔
ـ۲ " " " " "
ـ۳ ابن عساکر جلد چہارم صفحہ ۲۱۸
ـ۴ العقد الفرید جلد اول صفحہ ۱۶۵
ـ۵ " " " " " ۲۶۰
ـ۶ " " " " " ۲۶۰
ـ۷ " " " " " ۲۶۰
ـ۸ " " " " " ۱۶۵

ف۹ العقد الفرید جلد اوّل صفحہ ۱۶۵

ف۱۰ " " " " ۱۶۵

ف۱۱ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۲ و ابن الاثیر جلد ۴ صفحہ ۵

ف۱۲ ابن الاثیر جلد چہارم صفحہ ۵ و الطبری جلد دوم صفحہ ۲۱۴

ف۱۳ العقد الفرید جلد اوّل صفحہ ۸ و الیعقوبی جلد دوم صفحہ ۲۸۳

ف۱۴ الطبری جلد دوم صفحہ ۲۱۳

ف۱۵ " " " " ۲۱۴

ف۱۶ ابن الاثیر جلد چہارم صفحہ ۵

ف۱۷ حضرت عبداللہ بن عبّاس حضرت علی کے جاں نثاروں سے تھے۔ (صارم)

ف۱۸ العقد الفرید جلد دوم صفحہ ۲۳۵

ف۱۹ " " " اوّل " ۸

ف۲۰ لامنس صفحہ ۱۰۴، الاغانی جلد ۱۳ صفحہ ۲۴۵ - اخطل عیسائی تھا عرب کے مشہور شعراء سے ہے، شرابی تھا۔

ف۲۱ قیس الرقیات عرب کے مشہور غزل گو شعراء سے ہے۔ تین عورتوں پر عاشق تھا اتفاق سے ان تینوں کا نام رقیہ تھا۔ لہٰذا قیس الرقیات مشہور ہوا۔ (صارم)

ف۲۲ لامنس صفحہ ۱۰۵

ف۲۳ ابن الاثیر جلد ۴ صفحہ ۵ - الفخری صفحہ ۹۸

ف۲۴ ابن خلدون صفحہ ۴ جلد ۳

ف۲۵ ابن عساکر جلد پنجم صفحہ ۱۲۵ و ۱۲۶

۲۶ھ المسعودی جلد دوم صفحہ ۵۴

۲۷ھ " " " " "

۲۸ھ ابو الفداء جلد اوّل صفحہ ۱۹۹

۲۹ھ الفخری صفحہ ۹۵

معاویہ بحیثیت ایک سیاستدان

آپ کی شخصیت عجیب تھی، مختلف اوصاف وفضائل کے حامل تھے۔ہم نے آپ کے حلم کی اچھی طرح تشریح کردی جس کی نظیر تاریخِ اسلام میں ملنی مشکل ہے، اب ہم آپ کی ایک دوسری صفت بیان کرتے ہیں جو آپ کی پوری زندگی پر چھائی ہوئی تھی یعنی آپ کی سیاست۔

معاویہ عرب کے چار مشہور سیاسی لوگوں میں سے ہیں یعنی عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، معاویہ اور زیاد بن ابیہ، عجیب بات یہ ہے کہ آپ ان سب پر صرف اپنی چالاکی سے غالب آگئے۔ انھیں اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا اور اس امر پر مجبور کر دیا کہ وہ آپ کے متبعین سے ہوجائیں اور آپ کی راہ پر چلیں۔

سب سے بڑے سیاسی انسان یعنی عمرو بن العاص نے آپ کی شخصیت اور آپ کے کارناموں کا اعتراف کیا ہے۔

اہلِ عرب انھیں "داہیہ" کہتے تھے، یہ لفظ وہ صرف اسی شخص کے لیے استعمال نہیں کرتے تھے جو کسی حکومت کا بار اپنے کاندھوں پر اٹھالے جیسے بسمارک اور ٹالیرانڈ تھے بلکہ یہ لفظ، قوتِ خطابت، قدرتِ کلام، عزم بالجزم،

روحانی تمنّا، نظرِ ثاقب اور وسعتِ ذمہ داری کا بھی حامل ہے کہ انسان موقعہ پر حیلہ اور مکر سے درگزر نہ کرے۔

اگر ہم اس لفظ کو قدیم وجدید سیاسی لوگوں کے امتیاز کا ایک معیار ٹھہرالیں تو پھر ہمارے لیے ان میں امتیاز کرنا بڑا آسان ہوجائے گا۔

سب سے بڑی بات جو معاویہ میں دلوں کو موہنے والی، دشمنوں کو دوست بنانے والی اور نفرت کرنے والوں کو اپنا بنانے والی تھی وہ یہ ہے کہ آپ ایک اچھے خطیب تھے، اس امر کی گواہی عرب کے بیشتر مورخین دیتے ہیں، بنابریں اپنی شدّتِ ذکاوت و حرص کے آپ اپنے اسرار کسی پہ کھلنے نہ دیتے تھے۔ آپ بڑے بلیغ اور بڑے اچھے دلیل باز تھے، میدانِ سیاست میں اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ آپ نے اپنے متعلق خود بیان کیا ہے کہ "میں نے جو اچھے نتائج حاصل کیے وہ اپنی قوتِ بیان اور زیاد کی قاطع تلوار کی بدولت حاصل کیے۔"

ایک امتیازی شان آپ میں یہ تھی کہ آپ جب تک کسی بات کو اچھی طرح اپنے دل میں پختہ نہیں کرلیتے تھے کسی کو اس کے بارے میں حکم نہیں دیتے تھے پھر ایک جبّار کی طرح گرفت کرتے اور موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے، موقع کی گھات میں رہتے، ایک دن حضرت عمرو بن العاص نے آپ سے کہا:-

"میں عاجز آگیا ہوں کہ یہ جانوں کہ آپ بزدل ہیں یا بہادر، کیونکہ آپ اقدام کرتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ آپ نے قتل وقتال کا ارادہ کرہی لیا ہے اور پھر آپ پیچھے ہٹتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ آپ نے فرار کا ارادہ کرہی لیا ہے۔"

حضرت معاویہ نے فرمایا، بخدا میں تو اسی وقت اقدام کرتا ہوں جبکہ دیکھتا ہوں

کہ یہ اقدام کا موقع ہے اور اسی وقت پیچھے ہٹتا ہوں جبکہ دیکھتا ہوں کہ یہ پیچھے ہٹنے کا مقام ہے جیسا کہ قطامی کہتا ہے:۔

شجاع اذا ما امکنتنی فرصۃ — جب فرصت دیکھتا ہوں تو میں بہادر ہوتا

والا تکن لی فرصۃ فجبان[۱] — ہوں اور اگر فرصت نہیں پاتا تو میں بزدل ہوتا ہوں۔

آپ کے بارے میں یہ بات کتنی درست کہی گئی ہے:۔"معاویہ ایک ماہر اونٹ کی مانند ہے کہ جب اس سے خاموشی اختیار کی جائے تو وہ پیش قدمی کرتا ہے اور جب لوٹایا جاتا ہے تو پیچھے ہٹ جاتا ہے[۲]۔"

آپ کی اسی سیاست کی بنا پر شامی آپ کے سامنے جھک گئے اور آپ کے گورنر آپ کے مخلص کارکن رہے لہذا وہ آپ کے ہاتھوں میں فرماں بردار ہتھیار بن گئے۔ آپ بھی ان کے مصالح سے غافل نہیں رہے اور نہ مصالح ملکی سے کبھی غافل رہے، جہاں بھی موقعہ ہوا عمال سے محاسبہ کرتے رہے اور انھیں حسن خدمت پر مجبور کرتے رہے، عام طور پر مؤرخین آپ کی کامیابی کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ آپ کی سیاست کی کامیابی ان حیلوں پر مبنی تھی جو آپ دوستوں سے مشکلات کے حل کرنے کے بارے میں کیا کرتے تھے چنانچہ آپ نے اپنے قوی حریفوں کو مٹانے کے لیے زہر کا استعمال کیا تاکہ حکومت بغاوتوں سے محفوظ رہے۔

اس کے باوجود یہ ہرگز تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت معاویہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلوایا تھا، نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ ہی نے ابن اثال مسیحی طبیب کو عبدالرحمان بن خالد کے زہر دینے کے لیے بھیجا تھا[۳]۔ کیونکہ وہ تو جنگ اناضول سے مریض ہو کر لوٹے تھے تو حضرت معاویہ نے ان کے علاج کے لیے اپنا

طبیب خاص بھیجا تھا تاکہ آپ کی تکالیف میں کمی ہو، ابن اثال پر جو تہمت لگائی گئی ہے، دراصل وہ آپ کے ہمعصر حاسد طبیبوں کی طرف سے لگائی گئی تھی کیونکہ حضرت معاویہ نے ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند خالد کو فوج کی کمان دے دی تھی، مرحوم کے بھتیجے نے جب ابن اثال کو حُبِّ انتقام میں قتل کر دیا تو حضرت معاویہ نے اس سے قصاص لیا مگر اس پر زیادہ سختی اس لیے نہیں کی کہ بنو مخزوم اور ان کے اعزاء و اقرباء ناراض نہ ہو جائیں۔

علاوہ بریں یہاں شک کے لیے بڑی گنجائش ہے کیونکہ ابن اثال کس بنا پر حمص کے خراج کی وصول یابی پر لگایا گیا تھا؟ اور حضرت علی کے کمانڈر یعنی حضرت اشتر نخعی ولایتِ مصر پر جاتے ہوئے اچانک راہ میں کیوں مر گئے تھے؟ کیا زہر دیئے جانے کی وجہ سے ایسا نہیں ہوا تھا؟ جیسا کہ بعض مؤرخینِ عرب نے اس کا ذکر کیا ہے۔

یہ چند ایسے سوالات ہیں جن کا ابھی تک کوئی صحیح حل نہیں نکل سکا ہے۔ محققین کے لیے گنجائش ہے کہ وہ اس کی تحقیق کریں اور بتا لگائیں کہ اصل واقعہ کیا تھا۔

زہر خورانی، جلاوطنی اور شدتِ گرفت کے علاوہ حضرت معاویہ نے اپنی مملکت کی مضبوطی کے لیے ایک اور طریقۂ کار بھی اختیار کر لیا تھا یعنی خوب لین دین کرنا، یہ وہ عجیب قوت ہے جو جادو کا کام کرتی ہے اور مغموم دل، مضطرب و بے چین نفس کو خوش کر دیتی ہے، جس شخص میں اقدام کی طاقت نہ ہو اسے اقدام پر جری بنا دیتی ہے اور دلوں میں ایمان و عزم پیدا کرتی ہے لہٰذا وہ لوگوں کے دل و دین خریدنے پر قادر ہو گئے۔

جب لیڈروں کی ایک جماعت کے ہر فرد کو حضرت معاویہ نے ایک لاکھ درہم

دیئے اور ابو منازل کو پچھتر ہزار دیئے تو ابو منازل نے کہا: "اے معاویہ تو نے مجھے بنو تمیم میں رسوا کر دیا۔ کیا میرا حسب و نسب پاکیزہ نہیں ہے۔ کیا میں معمر آدمی نہیں ہوں، کیا میں اپنی قوم کا سردار نہیں ہوں؟"

تو آپ نے فرمایا "کیوں نہیں" تو انھوں نے کہا "پھر آپ نے مجھے دوسروں سے کم کیوں دیا؟"

آپ نے فرمایا، "میں نے تو لوگوں سے ان کا دین و مذہب خرید لیا ہے اور آپ کو حضرت عثمان کے بارے میں آپ کی رائے اور دین پر چھوڑا ہے (یہ عثمانی تھے)

ابو منازل نے کہا، "تو میرا دین بھی خرید لے"

آپ نے فوراً حکم دیا کہ آپ کو بھی دوسروں کی طرح انعام دیا جائے۔[۵]

اس زمانے میں ضمیر کی خرید و فروخت عام تھی، گو اس میں شک نہیں کہ یہ انسانی کمزوری ہے جو عموماً لوگوں میں پائی جاتی ہے، خواہ وہ مغربی ہوں یا مشرقی، تاریخ کا مطالعہ ہمیں یہی بتاتا ہے۔ امیر معاویہ اس قدر عطیات کی بارش جاہ و اقتدار کے لیے کرتے تھے۔ آپ نے اس طرح بڑے بڑے علویوں اور قریشیوں کی زبانیں بند کر دیں اور ان کی آنکھوں کو سونے سے چندھیا دیا۔

امیر معاویہ کے سیاست کے بارے میں کچھ نظریات ہیں، ایک دن آپ نے زیاد کو لکھا: "ہمیں چاہیئے کہ لوگوں کے ساتھ ایک سی سیاست نہ برتیں اور نہ ہمیں سب کے لیے نرم ہونا چاہیئے کہ لوگ نافرمانی پر آمادہ ہو جائیں اور نہ سب کے ساتھ سختی برتنی چاہیئے کہ لوگوں کو ہلاکت میں ڈال دیں لہٰذا تو سختی اور بدسلوکی اختیار کر اور میں رافت و رحمت کو طریقۂ کار بناتا ہوں۔[۶]

ایک دن آپ نے اپنے فرزند یزید کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:۔
"بیٹا کبھی کسی شریف آدمی کو نہ چھیڑنا کیونکہ وہ پھر کبھی درست نہیں ہو سکے گا۔"
یزید نے پوچھا، "پھر کیا کیا جائے؟"
فرمایا:۔ کبھی کسی شریف کی بے آبروئی نہ کرنا نہ کبھی مارنا، کیونکہ شریف انسان پھر کبھی راضی نہیں ہوتا، البتہ اس کا مال لے لے پھر جب چاہے صلح کر لینا کیونکہ مال کے بدلہ مال ہے۔"

آپ کی حسنِ سیاست کی گواہی حضرت عمر بن الخطاب نے بھی دی ہے کیونکہ آپ جانتے تھے کہ آپ بڑے زیرک انسان ہیں، اہل عرب سے آپ نے فرمایا:۔
"تم قیصر و کسریٰ کی سیاست کو یاد کرتے ہو، حالانکہ تم میں معاویہ موجود ہے۔"

آپ کی حسنِ سیاست و مہارت اور خواص و عوام کے ہاں حسنِ قبول حاصل کرنے کی یہ واضح دلیل ہے کہ آپ نے ایک دفعہ ایک شامی کے بارے میں یہ فیصلہ صادر فرمایا، یہ شامی ایک کوفی نوجوان کی اونٹنی کا دعویدار تھا کہ یہ میری ہے اس دمشقی نے پچاس گواہ اس امر پر گزارے کہ میرا دعویٰ صحیح ہے۔

عراقی کہتا تھا کہ یہ تو اونٹ ہے اونٹنی نہیں ہے۔ مگر آپ نے فیصلہ شامی کے حق میں دیا اور تنہائی میں عراقی کو بلایا اور اسے اونٹ کی قیمت سے کئی گنا زیادہ دیا اور بہت کچھ انعام و اکرام کیا اور فرمایا:۔ "علی سے کہہ دینا کہ میں ایسے ایک لاکھ آدمیوں سے مقابلہ کر دوں گا جو اونٹ اور اونٹنی میں فرق نہیں کرتے۔"[۵]

حضرت معاویہ کی حکومت بیس سال رہی آپ نے وہ سیاست پیش کی جو بنو فاطمہ، بنو ہاشم اور آلِ زبیرہ وغیرہ کسی میں نہ تھی، آپ برابر سردارانِ عرب کے ساتھ چشم

پوشی، تحمل اور صبر کا برتاؤ کرتے رہے اور ان کے تکلیف دہ کلمات وغیرہ کو برداشت کرتے رہے[۸]۔

حق یہ ہے کہ سیاست و بردباری میں آپ کا کوئی مثیل نہ تھا، آپ بلاشبہہ بڑے سیاسی آدمی اور بڑے ہوشیار تھے۔

---

[۱] المسعودی جلد دوم صفحہ ۴۶

[۲] لامنس صفحہ ۲۱۷

[۳] " " ۲۱۸ و ۲۱۹

[۴] الطبری جلد دوم صفحہ ۹۷

[۵] العقد الفرید الجلد الاوّل، صفحہ ۳۳۶

[۶] مجموعہ حکم للعلامۃ یاقوت المستعصمی، طبعۃ الجوائب ۱۲۹۸ھ

[۷] المسعودی جلد دوم صفحہ ۵۲

[۸] ابن خلدون جلد سوم صفحہ ۴

معاویہ بحیثیت ایک شاعر

عصرِ اموی کے شعراء کی حیثیت آج کل کے اخبار نویسوں کی سی تھی کیونکہ وہی طول و عرض میں خبروں کو شائع کرتے تھے، چنانچہ جریر کہتا ہے :-

مانی لقوال لکل غریبۃ — میں ہر مسافر اور اجنبی کو رات گئے عجیب
وردو اذا السار بلیل ترنما — عجیب خبریں سناتا ہوں۔

جس طرح ہماری آج کل کی صحافت میں یہ عیب ہے کہ وہ انتہائی جانبداری کرتی ہے یہی عیب بنو امیہ کے شعراء میں بھی تھا کہ وہ مدح و ہجا میں جانبداری سے کام لیتے تھے۔

حضرت معاویہ کے ماں باپ دونوں شاعر تھے، آپ فصاحت و بلاغتِ عرب کے گرویدہ تھے، شیریں الفاظ کے شائق تھے لہٰذا اپنے زمانے کے ادباء و شعراء میں شمار ہوتے ہیں، جب ہم آپ کے خطوط کو غور سے پڑھتے ہیں تو لطیف روحِ شعری پاتے ہیں جو بین السطور میں جگمگاتی نظر آتی ہے، آپ پر جاہلی شعر کا غلبہ تھا۔

آپ نے فرمایا ہے "کہ جاہلی شعراء میں سب سے بڑا شاعر مزینہ تھا، زہیر اسلام کا سب سے بڑا شاعر تھا اور نظم کو نثر پر فضیلت ہے۔"

امیر معاویہ شعر کا بہت احترام کرتے تھے اور اس کے فضائل کو مانتے تھے کیونکہ شاعری اخلاقی ترقی کا ستون اور چھپے ہوئے شریف جذبات کو برانگیختہ کرنیوالی ہے۔

ایک دن آپ نے عبدالرحمان بن الحکم بن ابی العاص سے خطاب کرتے ہوئے شعر کے بارے میں فرمایا :-

" اے میرے بھتیجے تو شعر گوئی کا بڑا شوقین ہے لہٰذا عورتوں کے ساتھ تشبیب کرنے سے بچنا کہ شریف عورت کو عار نہ لگے اور ہجو سے بچنا کہ کسی شریف کی بدنامی نہ ہو اور کوئی کمینہ تیرے پیچھے نہ پڑ جائے اور مدح سے بچنا کیونکہ یہ بے حیائی کی دستاویز ہے، ہاں اپنی قوم کے مفاخر پر فخر کرنا اور ایسی باتیں کہنا جس سے تیرا نفس مہذب بنے اور دوسرے بھی ادب پکڑیں۔"

ہمیشہ سے شعر، بلادِ عربیہ میں ظالم سیاست کا مقابلہ کرتا رہا ہے اور ظالموں کے ظلم کی دھار کو کند کرتا رہا ہے، ہم نے دیکھا ہے کہ بہت سے حکام صرف اس بنا پر عدل کرتے تھے کہ کہیں وہ شاعروں کے ہنسانے اور رلانے والے شعروں کا تختۂ مشق نہ بن جائیں، چونکہ شعراء کو رائے عامہ میں بڑا دخل تھا لہٰذا حکام نے انھیں خوب خوب دیا ان کی محبت کو خریدا اور انھیں اپنے سیاسی معاملات میں دخل دینے سے روکے رکھا۔

اگر ہم اس امر کا مقابلہ یورپ کے موجودہ صحافیوں سے کریں تو واضح ہو جائے گا کہ آج کل بھی مختلف وزراء اپنے ہاں ان کو بڑے مقام پر بٹھاتے ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب ہر اس شاعر کی آواز کی طرف دھیان دیتے تھے جو اصلاح کا خواہشمند ہوتا تھا چنانچہ جب ابوالمختار یزید بن قیس نے اپنا وہ قصیدہ پڑھا جس میں اس نے اہواز کے گورنروں وغیرہ کے خلاف آواز اٹھائی تھی تو آپ نے ان تمام حکام سے جن کا ابوالمختار نے ذکر کیا تھا آدھا آدھا مال لے لیا حتیٰ کہ ایک جوتا لے

لیا اور ایک چھوڑ دیا۔[۳]

حضرت معاویہ شعراء سے بہت ڈرتے تھے اور ان کے لیے وظائف مقرر کر رکھے تھے، کیونکہ ہو سکتا تھا کہ کوئی شخص یمنیوں کو آپ کے خلاف بھڑکا دیتا جو کہ ان کے مخلص لشکری تھے۔

قصہ یہ ہوا کہ ایک دفعہ مسکین دارمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے وظیفہ کی تقرری کا طالب ہوا آپ نے انکار کر دیا کیونکہ آپ صرف یمنیوں کو وظیفہ دیتے تھے تو وہ آپ کے پاس سے یہ شعر پڑھتا ہوا نکلا:۔

اخاك اخاك ان من لا اخاً له	اپنے بھائی کا دھیان رکھو کیونکہ جس کا
کساعٍ الی الهیجا بغیر سلاح	کوئی بھائی نہیں وہ اس شخص کی مانند ہے
وان ابن عم المرء فاعلم جناحه	جو جنگ کی طرف بغیر ہتھیار کے جاتا ہے۔
وهل ینهض البازی بغیر جناح	کیا باز بغیر بازو کے اڑ سکتا ہے؟ ضرورتمند
وما طالب الحاجات الا مغرم	سائل کو تو بہلا دیا جاتا ہے، مگر جس نے بازو
وما نال شیئاً طالب کجناح	پا لیا اس نے بڑی چیز حاصل کر لی۔

پھر حضرت معاویہ کو معلوم ہوا کہ کسی یمنی نے کہا:۔

”میں نے ارادہ کیا کہ کسی مصری کو شام میں نہ چھوڑوں بلکہ میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ میں اس مقام سے نہ اٹھوں حتیٰ کہ ہر نزاری کو شام سے نکال کر لے جاؤں۔“

حضرت معاویہ کو اس کی یہ بات پہنچی تو آپ نے فوراً چار ہزار قیسیوں کا وظیفہ مقرر کر دیا اور عطارد بن حاجب کو اس انجام دہی پر لگایا، جب عطارد بن حاجب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا۔ ”اس حسین دارمی نوجوان

نے کیا کیا ہے؟" اس سے آپ کی مراد مسکین دارمی سے تھی تو عطارد بن حاجب نے کہا۔ "امیرالمومنین! اب وہ ٹھیک ہے"۔ آپ نے فرمایا اس سے کہہ دینا:۔

"کہ میں نے اس کے لیے وظیفہ مقرر کر دیا ہے خواہ وہ ہمارے پاس رہے یا اپنے وطن میں اور یہ بھی اسے خوش خبری سنا دینا کہ میں نے اس کی قوم کے چار ہزار افراد کا وظیفہ مقرر کر دیا ہے، کیونکہ اس کا یہ وظیفہ سیاسی ہے"۔

مروان نے نابغہ کے خاندان والوں کو گرفتار کر لیا تھا اور ان کا مال چھین لیا تھا تو وہ امیر معاویہ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت عبداللہ بن عامر اور مروان آپ کے پاس بیٹھے تھے تو اس نے امیر معاویہ کو چند شعر سنائے جن میں سے دو شعر ہم درج کرتے ہیں:۔

فان تاخذوا اھلی ومالی بظنۃ فانی لحراب الرجال مجرب	اگر تم نے شک و تہمت کی بنا پر میرے خاندان کو گرفتار کر لیا اور مال چھین لیا تو جان لو کہ میں بڑا جنگجو ہوں
صبور علی ما یکرہ المرء کلہ سوی الظلم انی ان ظلمت ساغضب	ہر ناپسندیدہ چیز پر صبر کر لیتا ہوں مگر ظلم کو برداشت نہیں کرتا، اگر مجھ پر ظلم کیا گیا تو میں غضب ناک ہو جاؤں گا۔

امیر معاویہ نے مروان کی طرف دیکھا اور کہا "تیری کیا رائے ہے؟"

مروان نے کہا میری رائے یہ ہے کہ "اسے کچھ بھی نہ دیا جائے"۔

آپ نے فرمایا:۔

"واہ تجھے یہ بات ہلکی لگتی ہے کہ یہ کسی غار میں گھس جائے پھر میری آبرو ریزی کرے

اور اہل عرب اس کے اشعار روایت کرتے پھریں...... لوٹا دے جو کچھ اس سے چھینا ہے۔"

امیر معاویہ ان شعراء کے ساتھ بھی داد و دہش کا برتاؤ کرتے تھے جنھوں نے آپ کی ہجو لکھی تاکہ ان کی زبانیں بند ہو جائیں جیسے خالد بن المعمر اور اغور شنی وغیرہ۔
شعراء کے کلام کا تمام عربی قوموں میں اثر رہا ہے خصوصاً عصورِ وسطیٰ میں، چنانچہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب کسی لڑکی کی شادی نہ ہوتی اور کوئی شاعر اس کے بارے میں شعر لکھ دیتا تو اس کے پیام بکثرت آنے لگتے تھے۔

بنو قیس بن ثعلبہ کی آزاد کردہ ایک عورت ابوالنجم کے پاس آئی اور کہنے لگی میری بچی کو دو سال ہوئے بالغ ہو چکی ہے، دراز قد اور حسین ہے مگر کوئی پیام نہیں دیتا اگر تو اس کا اپنے کلام میں تذکرہ کر دے تو کیا ہی اچھا ہو، اس نے کہا، لڑکی کا کیا نام ہے؟ وہ بولی نفیسہ، تو ابوالنجم نے یہ شعر کہا ؂

نفیس یا قتالة الاقوام — اے نفیسہ قوموں کو قتل کرنے والی تو نے
اقعدت قلبي منك بالسهام — میرے دل کو اپنے تیروں سے زخمی کر دیا ہے۔

وہ بولی بس بس! پھر وہ شام کی طرف چلا گیا، جب وہاں سے لوٹا تو باجوں کی آواز سنی، بولا یہ گانا کیسا ہے؟ لوگوں نے کہا نفیسہ کی شادی ہے۔

ابوالمحلق بڑا شریف انسان تھا، اس نے اپنا سارا مال تلف کر دیا تھا، مرا تو اس کی تین بہنوں کے لیے سوائے ایک ناقہ اور دو حلّوں کے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ یہ دو حُلّے قیمتی عمدہ چادروں کے تھے، یہ ترکہ بھی حقوق کی ادائیگی کے لیے تھا، اتفاقاً اعشیٰ کسی سفر سے آ رہا تھا اور وہ یمامہ جا رہا تھا تو وہ اس پانی پر اترا جہاں محلق قیام پذیر

تھا۔ ان لوگوں نے اُس کی خوب خاطر مدارات کی تو اعشیٰ نے محلق کے بارے میں یہ شعر کہے۔

ابا مسمع سار الذی قد فعلتم — اے ابو مسمع جو کچھ تم نے کیا وہ نجد و عراق
فانجد اقوام بہ ثم اعرقوا — میں مشہور ہو گیا۔ ہر منزل پر اسی سے اونٹنیاں
بہ تعقد الاجمال فی کل منزل — باندھی جاتی ہیں اور رسیاں کھولی اور باندھی
وتعقد اطراف الحبال وتطلق — جاتی ہیں۔

یہ اشعار سارے عرب میں مشہور ہو گئے، ابھی سال گزرنے نہ پایا تھا کہ محلق کی تینوں بہنوں کی شادی سو سو اونٹنیوں کے مہر پر ہو گئی بس پھر کیا تھا وہ مال دار ہو گیا اور خوب عزت و عظمت والا بن گیا۔[لہ]

حضرت معاویہ کے اشعار احساسِ نفس اور لطیف روح کا پتا دیتے ہیں جس دن اُن پر حملہ کیا گیا تھا اور قاتل کامیاب نہیں ہوا تھا۔ اس دن انھوں نے عمرو بن العاص کو یہ شعر سنایا ؎

یموت الصالحون وانت حی — نیک لوگ مرتے جاتے ہیں اور تو زندہ
تخطاک المنایا لا تموت — ہے موتیں تجھ سے اچٹ جاتی ہیں لہٰذا تو نہیں مرتا۔

عمرو بن العاص نے جواباً یہ شعر کہا ؎

فلست بمیت ما دمت حیا — تو جب تک زندہ ہے مرے گا نہیں
ولست بمیت حتی تموت — اور جب مرے گا تب ہی مرے گا۔

امیر معاویہ نے اس حادثہ سے متعلق یہ اشعار عمرو بن العاص کو لکھ کر بھیجے۔

وقتل واسباب المنایا کثیرۃ — قتل اور موت کے بہت سے اسباب

منية شيخ من لوى بن غالب	ہیں مگر لوی بن غالب کا بوڑھا مارا گیا۔ اے
فيا عمرو مهلاً انما انت عمه	عمرو ذرا ٹھہر تو اس کا چچا ہے اور اقرباء
وصاحبه دون الرجال الأقارب	کے علاوہ تو اس کا دوست بھی ہے۔
نجوت وقد بلّ المرادي سيفه	تو نجات پا گیا اور مرادی نے اپنی تلوار
من ابن ابي شيخ الاباطح طالب	تر کرلی۔ سردار ابوطالب کے بیٹے سے مجھے
ويضربني بالسيف آخر مثله	بھی اسی جیسی تلوار سے ایک دوسرا خارجی مارنا
فكانت علينا تلك ضربة لازب	چاہتا تھا مگر یہ وار کارگر نہ ہو سکا اور تو ہر
وانت تناغي كل يوم وليلة	دن اور ہر رات باتیں کرتا ہے۔ مصر میں گوری
بمصرك بيضا كالظباء السوارب	عورتوں سے جو ہرنیوں کی طرح ہیں۔

اگر ہم ایک جانب آپ کے اشعار میں رقت و حلاوت پاتے ہیں تو دوسری طرف حکمتیں پاتے ہیں جو آپ کے اشعار میں بہتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ جب آپ بوڑھے اور کمزور ہو گئے اور لوگوں نے کہا وقت آن پہنچا ہے تو آپ نے گھر والوں سے فرمایا، میری آنکھوں میں سرمہ لگاؤ، سر میں خوب تیل ملو، تکیہ لگا کر بٹھا دو اور لوگوں کو آنے کی اجازت دے دو مگر کوئی بیٹھنے نہ پائے، کھڑے ہو کر سلام کرے۔

لوگ آتے کھڑے کھڑے سلام کرتے اور آپ کے تیل سرمہ لگا دیکھ کر کہتے یہ تو بالکل تندرست ہیں کیا بات ہے؟

جب لوگ چلے گئے تو آپ نے یہ اشعار پڑھے ؎

وتجلدي للشامتين اريهم	میں دشمنوں کو تگڑا بن کر دکھاتا ہوں تاکہ
اني لريب الدهر لا اتضعضع	وہ دیکھیں کہ میں زمانے کے حوادث سے

واذا المنیۃ انشبت انھارھا
الفیت کل تمیمۃ لا تنفع

سامنے جھکتا نہیں۔ مگر جب موت اپنے پنجے گاڑ دیتی ہے تو ہر تعویذ بے سود ہو جاتا ہے۔

حکمت و موعظت کے بارے میں آپ کے وہ شعر ہیں جو مغیرہ بن شعبہ کو خطاب کرتے ہوئے پڑھے ان میں سے ہم ذیل میں دو شعر درج کرتے ہیں ؎

انما موضع سر المرءات
باح بالسر اخوہ المنتصح
فاذا بحتَ بسرفالیٰ
ناصح یسترہ اولاً تبح

اگر انسان کسی سے اپنا بھید کہنا ہی چاہے تو پھر اس کا مقام مخلص بھائی ہے۔
لہٰذا جب کسی بھید کا افشا کرنا ہو تو ایسے مخلص سے کہو، جو اسے چھپالے یا بالکل ظاہر ہی مت کرو۔

۱؎ لامنس صفحہ ۲۵۴

۲؎ الاغانی جلد دہم صفحہ ۱۶۵

۳؎ البلاذری صفحہ ۳۸۴ و ۳۸۵

۴؎ الاغانی جلد ۱۸ صفحہ ۷۰

۵؎ 〃 〃 ۴ صفحہ ۱۳۸

۶؎ ابن عساکر جلد ۴ صفحہ ۸۸

۷؎ تاریخ 〃 ۵۰ صفحہ ۹۰

۸؎ الاغانی جلد ۹ صفحہ ۸۲

۹ھ دیکھئے دیوانِ اعشیٰ مطبوعہ لیڈن (صارم)

۱۰ھ الاغانی جلد ۸ صفحہ ۸۰

۱۱ھ المسعودی جلد ۲ صفحہ ۴۷

۱۲ھ مراد خارجہ بن حذافہ ہے جو عمرو بن العاص کا پولیس افسر تھا اور خارجی نے عمرو بن العاص کے دھوکے میں اسے مار ڈالا تھا۔ بات یہ تھی کہ عمرو بن العاص بوجہ اسہال کے نمازِ فجر کے لیے نہ نکل سکے۔ خارجہ نکلا تو خارجی سمجھا کہ یہی عمرو بن العاص ہے لہٰذا اسے قتل کر دیا۔

۱۳ھ مراد عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی ہے جس نے کوفہ میں حضرتِ علی پر وار کیا تھا اور آپ کو شہید کر دیا، ایک خارجی حضرت عمرو بن العاص کے قتل کرنے کے لیے گیا تھا وہ کامیاب نہ ہوا اور دوسرا حضرت معاویہ کے قتل کے لیے شام گیا تھا وہ بھی کامیاب نہ ہو سکا، کیونکہ آپ سجدے میں تھے تو تلوار آپ کے سرین پر لگی اور وہ گرفتار ہو گیا (صارم)

۱۴ھ مراد برک بن عبداللہ ہے جس نے معاویہ پر حملہ کیا تھا اور گرفتار ہو گیا تھا۔

۱۵ھ الطبری جلد اوّل مطبوعہ لیڈن صفحہ ۳۴۶۶

۱۶ھ الطبری المجلد الثانی صفحہ ۲۰۰ و ۲۰۱

محمد حفیظ قریشی خوشنویس، ڈسکہ ضلع سیالکوٹ

مصادر

(۱) تاریخ الرسل والملوک، مصنفہ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری مطبوعہ لیڈن سنہ ۱۸۸۹ء

(۲) کتاب الاخبار الطوال، مصنفہ ابو حنیفہ احمد بن داؤد الدینوری مطبوعہ بریل لیڈن سنہ ۱۸۸۶ء۔

(۳) کتاب فتوح البلدان، مصنفہ ابو العباس احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری مطبوعہ لیڈن سنہ ۱۸۶۶ء۔

(۴) کتاب الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ، مصنفہ محمد بن علی بن طباطبا المعروف بابن الطقطقی مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۷ھ۔

(۵) تاریخ الیعقوبی، مصنفہ احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب بن واضح الکاتب العباسی مطبوعہ بریل لیڈن سنہ ۱۸۸۳ء۔

(۶) مروج الذہب و معادن الجواہر، مصنفہ ابو الحسین علی بن الحسین المسعودی مطبوعہ مطبعہ الازہریہ بمصر سنہ ۱۳۱۳ھ

(۷) کتاب معجم البلدان، مؤلفہ شہاب الدین ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحموی الرومی البغدادی المتوفی سنہ ۶۲۶ مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ سنہ ۱۳۲۳ مطابق سنہ ۱۹۰۶ء۔

(۸) العقد الفرید، مصنفہ شہاب الدین احمد المعروف بابن عبدربہ الاندلسی مطبوعہ مصر۔

(۹) تاریخ مختصر الدول، مصنفہ غریغوریوس ابو الفرج بن اہرون المتطبب الملطی المعروف بابن العبری مطبوعہ مطبع کاثولیکیا، بیروت سنہ ۱۸۹۰ء۔

(۱۰) تاریخ الکامل، مصنفہ ابو الحسن علی بن ابی الکرام محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری الملقب بعز الدین۔

(۱۱) روضۃ المناظر فی اخبار الاوائل والاواخر، مصنفہ ابو الولید محمد بن الشحنہ، علی ہامش ابن الاثیر۔

(۱۲) مقدمۃ ابن خلدون، مطبوعہ مصر القاہرہ

(۱۳) الاغانی مصنفہ ابو الفرج الاصبہانی مطبوعہ مصر۔

(۱۴) حیاۃ الحیوان الکبریٰ، مصنفہ الشیخ کمال الدین الدمیری

(۱۵) تاریخ الخمیس فی احوال النفس نفیس، مصنفہ الشیخ حسین بن محمد بن الحسن الدیار البکری مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۲ھ

(۱۶) صبح الاعشیٰ، تالیف الشیخ ابو العباس احمد القلقشندی مطبوعہ القاہرہ سنہ ۱۳۳۲ھ مطابق سنہ ۱۹۱۴ء مطبع امیریہ۔

(۱۷) رسالۃ المستعصمی مطبوعہ مطبعۃ الجوائب قسطنطنیہ سنہ ۱۲۹۸ھ

(۱۸) تاریخ ابن خلدون، مؤلفہ علامہ عبد الرحمان بن خلدون المغربی مطبوعہ مصر

(۱۹) رسالۃ فی النقود الاسلامیہ، مؤلفہ علامہ تقی الدین احمد بن عبد القادر المقریزی الشافعی مطبوعہ مطبعۃ الجوائب قسطنطنیہ سنہ ۱۲۹۸ھ

(۲۰) التاریخ الکبیر، مؤلفہ ابو القاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ بن عبد اللہ بن الحسین بن عساکر الشافعی الدمشقی ۵۷۱ھ الموافق سنہ ۱۱۷۵ء مطبوعہ مطبع روضۃ الشام سنہ ۱۳۳۲ھ

(۲۱) کتاب المختصر فی اخبار البشر مؤلفہ الملک المؤید عماد الدین اسماعیل ابو الفداء صاحب حماۃ المتوفی سنہ ۷۳۲ھ۔

سب کچھ مہنگا ہو گیا ۔ کتابیں سستی ہو گئیں

میری لائبریری

آردو میں کم خرچ کاغذی کتابوں (پاکٹ بکس) کا پہلا سلسلہ

"اگر ہم اب بھی کتابیں نہ خریدیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہم کتابیں پڑھنا ہی نہیں چاہتے۔"
روزنامہ : ڈان ، کراچی

مصنف :
لن ۔ یو ۔ تانگ

جینے کی اہمیت

ساڑھے پانچ روپے
پہلی قیمت: بارہ روپے

"زندگی کے خشک مسائل پر اتنی دلچسپ کتاب میری نظر سے آج تک نہیں گزری ۔"
علامہ نیاز فتح پوری ، مدیر: نگار

مصنف :
ڈیل کارنیگی

میٹھے بول میں جادو ہے

تین روپے
پہلی قیمت: سات روپے

قرآن اور بائبل کو چھوڑ کر اس کتاب نے لوگوں کو سب سے زیادہ کامیابی بخشی ہے ۔ قرآن اور بائبل کو چھوڑ کر یہ دنیا کی سب سے مقبول کتاب ہے ۔ مختلف زبانوں میں ایک کروڑ جلدیں بک چکی ہیں ۔

مصنف :
ڈیل کارنیگی

پریشان ہونا چھوڑیے

تین روپے
پہلی قیمت : چھ روپے

ہماری مالی ، جنسی ، ذہنی اور روحانی پریشانیوں کے آزمودہ علاج ۔

مصنف:
ڈیل کارنیگی

گفتگو اور تقریر کا فن

سوا دو روپے
پہلی قیمت: پانچ روپے

اس کتاب کے مطالعے سے آپ کی باتیں لوگوں کا دل موہ لیا کریں گی ۔

مصنف :
ڈاکٹر مارڈن

زندگی اور عمل

قیمت : ڈیڑھ روپیہ

روز مرہ زندگی کے مسائل کو عملی طور سے حل کرنے کے آسان راستے ۔

لہریں — حماقتیں — مزید حماقتیں — پرواز

1.50 3.00 3.00 1.50

اردو کے مشہور و مقبول ترین افسانہ نگار شفیق الرحمان کے ہنستے مسکراتے افسانوں اور خاکوں کے یہ چار مجموعے اس بات کا ثبوت ہیں کہ ''شفیق الرحمان موجودہ دور میں شگفتہ اور صحت مند ادب کا بانی ہے۔''

ماہ نامہ: ادب لطیف، لاہور

سنگ و خشت — شیشہ و تیشہ — گرد کارواں

1.50 1.50 1.50

کنہیا لال کپور کے طنز کے تیروں اور مزاح کی پھلجھڑیوں سے معمور مضامین اور خاکوں کے یہ تین مجموعے ہماری معاشری، ادبی اور اخلاقی زندگی کو بے نقاب کرنے میں مثال نہیں رکھتے۔ کپور کے مضامین میں ظرافت ہے، زندگی ہے، گہما گہمی ہے۔

مصنفہ:
قرۃالعین حیدر

میرے بھی صنم خانے

تین روپے
پہلی قیمت: چھ روپے

قرۃ العین حیدر اردو میں ایک بالکل نئے اسلوب نگارش کی موجد ہیں۔ ان کا یہ ناول اردو کے چند بہترین ناولوں میں شمار ہوتا ہے۔

دیوان غالب

میری لائبریری میں اردو کے مقبول ترین شاعر کے اردو کلام: دیوان غالب کا صحیح ترین نسخہ بے داغ طباعت کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ دس بیس روپے کے بجائے یہی نسخہ صرف سوا دو روپے میں مل جائے۔

ابوبکر، صدیق اکبر — عمر، فاروق اعظم

4.50 8.00

دنیائے اسلام کے نامور مورخ محمد حسین ہیکل کے قلم سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی مستند ترین اور انتہائی دلکش سوانح عمریاں۔ تاریخ اسلام سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ کتابیں ناگزیر ہیں۔

مصنف:
ابو زید شلبی

خالد، سیف اللہ

سوا دو روپے
پہلی قیمت: پانچ روپے

خدا کی تلوار' خالد' سیف اللہ پر یہ کتاب حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے۔

میری لائبریری کی ایک خاص کتاب

عمر، فاروق اعظم

مصنف : محمد حسین ہیکل ——— مترجم : حبیب اشعر

☆ ”حضرت عمر پر اس سے پہلے اتنی جامع اور مکمل کتاب نہیں لکھی گئی“ - روزنامہ: کوھستان، لاھور

☆ ”یہ کتاب ضخامت کے باوجود اتنی دلچسپ ھے کہ پڑھنے والا تاریخ یا اسلامیات کا شغف نہ بھی رکھتا ھو تب بھی اس سے مستفید و محظوظ ھو گا -
روزنامہ : امروز، لاھور

☆ ”یہ کتاب ھمارے لیے ایک مثال ھے کہ اپنی تاریخ کو سمجھنے اور نئے تقاضوں سے اسے ھم آھنگ کرنے کا طریقہ کیا ھوا کرتا ھے -“ روزنامہ : آفاق، لاھور

☆ ”یہ کتاب حضرت عمر کی شخصیت اور کارناموں کی چھرہ کشائی میں بے نظیر ھے“- روزنامہ : جنگ، کراچی

☆ قیمت کم ھوتی تو اس کتاب سے جو ھمارے تا[illegible] اور اسلامی ادب میں ایک مستقل اض[illegible] زیادہ لوگ استفادہ کر سکتے - روزنامہ: نوائے وق[illegible]

لیجئے، میری لائبریری اب یہ کتاب بیس ر[illegible] بجائے صرف آٹھ روپے میں پیش کر رھی ھے -

مکتبہ جدید، لاھور

رپن پریس، لاھور